آخری چٹان

حصہ دوئم

نسیم حجازی

انٹرنیٹ ایڈیشن دوم سال 2006 www.Nayaab.Net

آخری چٹان

حصہ دوئم

نسیم حجازی

انٹرنیٹ ایڈیشن دوم سال 2006 www.Nayaab.Net

فہرست

سازش	03
تیسرا حصہ۔۔۔آگ اور خون	28
اہم فیصلے	42
قدرت کا ہاتھ	57
شیر خوارزم	82
دیارِ غیر	110
بدعہدی	137
ایک اور کوشش	158
آخری شکست	173
آخری پیغام	195
انجام	207

سازش

چند دن بعد وزیراعظم کے محل کے ایک کشادہ کمرے میں امرائے سلطنت تازہ صورت حالات پر تبصرہ کر رہے تھے۔ طاہر بن یوسف کی تقریریں موضوع بحث تھیں ۔ایک عہدے دار نے کہا۔وہ ایک دیوانہ ہے، اس کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسے گرفتار کرلیا جائے اور جب خلیفہ کا حکم بھی یہی ہے تو ہمیں سہل انگاری سے کام نہیں لینا چاہیے۔

دوسرے نے کہا۔اس نے کسی ایک شخص پر الزامات نہیں لگائے لیکن بغداد کے لوگوں کی نظر میں ہم سب مجرم ہیں۔اس کا تدارک فوراً ہونا چاہیے۔ ہمارے لیے سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بغداد کی ہر فرقے کے افراد اس کے گرد جمع ہو رہے ہیں ۔گزشتہ چالیس برس سے میں نے شیعہ اور سُنی کو ایک ساتھ چلتے نہیں دیکھا لیکن اب یہ سُنا ہے کہ ان کے مکان کے ایک دروازے پر شیعہ پہرہ دے رہے ہیں اور دوسرے پر سُنی ہیں ۔گزشتہ سب چوک مامونیہ میں مناظرہ ہونے والا تھا۔میں خود وہاں موجود تھا۔اس نے قبل از وقت وہاں پہنچ کر تقریر شروع کر دی اور شاید گزشتہ دو صدیوں میں یہ پہلا موقع تھا کہ ایک شخص تمام فرقوں کو کوس رہا تھا اور سامعین خاموش تھے اور جب اس نے یہ سوال کیا کہ تم اب بھی بٹنا چاہتے ہو تو اکثر نے نفی میں جواب دیا اور اس کی تقریر کے بعد سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ شیعہ اور سُنی ایک دوسرے سے بغل گیر ہو رہے تھے ۔اس لیے ہم اسے دیوانہ کہہ کر اپنے آپ کو دھوکہ دیں گے ۔اگر اسے اس وقت گرفتار کیا گیا تو بغداد کے عوام ہمارے متعلق یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ہم واقعی کسی سازش کے انکشاف سے ڈرتے ہیں اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ وہ پُرامن طریقے سے گرفتار ہونے کے لیے

تیار بھی نہ ہوگا۔ ہمیں جلد بازی کی بجائے تدبر سے کام لینا چاہیے۔

نیا وزیر خارجہ مہلب بن داؤد جو اس سے قبل وحید الدین کا نائب رہ چکا تھا، ایک نوجوان تھا۔ لوگ اس کے علم کے معترف تھے اور اس کے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ وہ بہت دُور کی سوچتا ہے۔ وزیر اعظم نے اس کی رائے دریافت کی تو اس نے کہا ۔میرے خیال میں ہمیں پہلی تقریر کے بعد ہی اسے گرفتار کر لینا چاہیے تھا۔ اب اس نے ہماری کوتاہی سے فائدہ اٹھا کر احمقوں کی ایک بڑی جماعت کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ اب اس پر ہاتھ ڈالنا خطرناک ضرور ہے لیکن بغداد کو بغاوت سے بچانے کے لیے ہمیں یہ خطرہ مول لینا پڑے گا۔

ناظمِ شہر نے اُٹھ کر کہا۔ اگر وزیر خارجہ یہ سمجھتے ہیں کہ میری طرف سے کوتاہی ہوئی ہے تو میں یہ بتانا ضروری خیال کرتا ہوں کہ میں نے اسی رات اس کے مکان پر چھاپہ مارا تھا مگر وہاں اس کے نوکروں کے سوا کوئی نہ تھا۔ اگلی رات مجھے جاسوسوں نے پتہ دیا کہ وہ شہر کی ایک مسجد میں ہے۔ میں نے دو سپاہی وہاں بھیجے لیکن اس کی حفاظت کے لیے وہاں تین ہزار نوجوان موجود تھے۔

وزیر خارجہ نے کہا۔ لیکن ہمارے پاس سپاہیوں کی کمی نہ تھی۔

وزیر اعظم نے جواب دیا۔ ہمارے سپاہیوں اور افسروں میں سے بہت سے لوگ اس کی طرف دار بن چکے ہیں۔ میرے مکان پر بھی گزشتہ دنوں جتنے فیصلے ہوئے ہیں۔ اسے کسی نہ کسی طرح ان کی اطلاع ملتی رہی ہے۔ ایک شام ہمیں پتہ چلا کہ وہ عشا کی نماز کے بعد جامع مسجد میں تقریر کرے گا۔ میں نے پانچ سو سپاہی شہری لباس میں وہاں بھجوا دیے۔ انہیں یہ ہدایت کی تھی کہ تقریر کے بعد اس کے گرد گھیرا ڈال لیں اور جس وقت وہ مسجد سے باہر نکلے، اسے گرفتار کر لیں لیکن اُسے بروقت پتہ چل

گیا اور مسجد میں نہ آیا۔ اب خلیفہ کا حکم یہ ہے کہ اسے بہر صورت گرفتار کیا جائے اور ہمارے لیے اس حکم کی تعمیل کے سوا چارہ نہیں۔ پچاس مفتیوں نے آج یہ فتویٰ دے دیا ہے کہ وہ باغی ہے۔ کل یہ فتویٰ مشتہر کر دیا جائے گا اور اس کے بعد ہم عوام کا ردِ عمل دیکھ کر مناسب قدم اُٹھائیں گے۔

باقی امراء چلے گئے لیکن مہلب بن داؤد کچھ دیر وزیر اعظم کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ مہلب نے پوچھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ بغداد میں اس کے پُرانے دوست کون کون ہیں؟

وزیر اعظم نے جواب دیا۔ قاسم کو سب پتہ ہے۔

مہلب کی درخواست پر وزیر اعظم نے ایک خادم کو حکم دیا اور قاسم کو بلا لیا۔ قاسم کی آمد پر وزیر اعظم اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا اور قاسم اور مہلب دیر تک باتیں کرتے رہے۔

قاسم کہہ رہا تھا۔ میرے خیال میں اس کے دوستوں میں سے صرف افضل ایسا ہے جس سے ہم کام لے سکتے ہیں۔ اسے طاہر کے ساتھ دلچسپی ضرور ہے لیکن اس نے عبدالعزیز، مبارک اور عبدالملک کی طرح ملازمت سے استعفیٰ نہیں دیا۔

مہلب نے پوچھا۔ اگر آپ اسے کل شام یہاں کھانے کی دعوت دیں تو وہ آ جائے گا؟

وہ پچھلے دنوں چند بار مجھ سے مل چکا ہے اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے تعلقات اس قدر بُرے نہیں۔ ایک دن اس نے اپنی گزشتہ گستاخیوں کے لیے معذرت بھی کی تھی اور جب تک وہ حکومت کا ملازم ہے ہم اسے کئی سبز باغ دکھا سکتے ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اسے یہاں لانے کا کام نئے سپہ سالار کے سپُرد کر

دیا جائے۔

مہلب نے اُٹھ کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔تو بہت اچھا! کل آپ کے ہاں میری، سپہ سالار اور افضل کی دعوت ہے۔

صفیہ آج بھی حسب معمول برآمدے کی چھت پر کھڑی اس کمرے کے روزن سے کان لگا کر بہت کچھ سُن چکی تھی ۔ جب قاسم اور مہلب باہر نکل گئے تو وہ نیچے اُتر کر اپنے کمرے میں پہنچی ۔اس نے برابر کے کمرے میں جھانک کر دیکھا، سکینہ سو رہی تھی صفیہ سونے سے پہلے روز کے ہر تازہ واقعات کے متعلق ایک مختصر سا مضمون لکھ کر علی الصباح محل کے دروازے کے ایک پہرے دار کو پہنچایا کرتی تھی ۔وہ حسب معمول کاغذ اور قلم لے کر بیٹھ گئی ۔لیکن چند سطور لکھنے کے بعد اس کے دل میں ایک نیا خیال پیدا ہوا اور یہ خیال اس کے دل کے خاموش تاروں کے لیے ایک مضراب بن گیا ۔پھر ہلکے اور میٹھے سُر بلند ہوتے گئے اور اسے محسوس ہونے لگا کہ دلکش نغمہ ایک مہیب ترانہ بن کر ساری کائنات کو اپنی آغوش میں لے رہا ہے، یہ ایک آندھی جو اُسے اُڑائے لے جا رہی تھی ۔ایک سیلاب تھا جو اسے بہائے لے جا رہا تھا۔ بادلوں کی گرج اور تند ہواؤں کی چیخیں خوف ناک تھیں لیکن اسے اس آندھی کے ساتھ اُڑنے کا خوف نہ تھا۔سیلاب کی لہرین حوصلہ شکن تھیں ۔لیکن وہ بہنا چاہتی تھی ۔اس کی زنجیریں ٹوٹنے لگیں۔قید خانے کے دروازے کھلنے لگے ۔بغداد کے اونچے ایوان اس کی نگاہوں سے روپوش ہو رہے تھے ۔وہ طاہر کے ساتھ صحرائے عرب کے ایک نخلستان میں کھڑی تھی ۔جذبات کے ہیجان میں کانپتے ہوئے قلم اس کے ہاتھ سے گر پڑا اور اس نے محسوس کیا کہ سازِ ہستی کے تار اچانک ٹوٹ گئے ہیں، کشادہ کمرہ اسے قفس نظر آنے لگا۔اس نے گرا ہوا قلم اُٹھایا لیکن لکھنے کی بجائے کاغذ پر

اُلٹی سیدھی لکیریں کھینچنے لگی اور پھر کچھ سوچ کر خالی جگہوں پر طاہر بن یوسف کا نام لکھنے لگی۔ پھر اس نے کاغذ پھاڑ کر پھینک دیا اور اُٹھ کر بستر پر لیٹ گئی۔ وہ بار بار یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دے رہی تھی۔

(۲)

اگلی رات قاسم کے دستر خوان پر نیا سپہ سالار، مہلب اور افضل موجود تھے۔ کھانے کے بعد ہو دریا کے کنارے قاسم کے ملاقات کے کمرے میں پہنچے۔

کھانے کے کمرے کے روزن سے کان لگا کر صفیہ طاہر کے متعلق کوئی خاص بات نہ سن سکی۔ جب وہ دوسرے کمرے میں جانے کے لیے اُٹھے تو وہ ان سے پہلے ہی تنگ سیڑھی کے راستے باہر کی گیلری میں جہاں اس کمرے کے دریچے کھلتے تھے، جا پہنچی۔ وہ آ کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ بالآخر مہلب نے سپہ سالار سے کہا۔ وزیر اعظم کا خیال ہے کہ افضل کو فوج میں کوئی بڑا عہدہ دیا جائے۔ کل قاسم نے میرے سامنے ان کی تعریف کی تھی۔ فوج میں قابل اور وفادار نوجوان کی بہت ضرورت ہے، وزیر اعظم کو عبدالعزیز اور عبدالملک سے بہت امید تھی لیکن میں نے سنا ہے کہ وہ مستعفی ہو کر طاہر بن یوسف کی حمایت کر رہے ہیں

سپہ سالار نے کہا۔ وزیر اعظم چاہیں تو ان کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے تیار ہوں۔

مہلب نے کہا۔ اس کے علاوہ ہمیں مصر کے لیے نئے سفیر کی ضرورت ہے۔ اگر عبدالملک کی وفاداری مشکوک نہ ہوتی تو میرے نزدیک وہ اس عہدے کے لیے نہایت موزوں تھا لیکن مجھے افسوس ہے کہ طاہر بن یوسف نے اچھے بھلے نوجوانوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ کیوں قاسم تمہارا خیال ہے۔ اگر میں خلیفہ سے سفارش کروں تو

افضل اس ذمہ داری کو سنبھال سکے گا؟

قاسم نے جواب دیا۔ مجھے ان کی صلاحیتوں کا اعتراف ہے لیکن ڈر ہے کہ شاید عبدالملک اور عبدالعزیز کے دوست ہونے کی وجہ سے یہ بغداد چھوڑنا پسند نہ کریں۔

افضل کی حالت اس بچے کی سی تھی جس کے سامنے اچانک کھلونوں کا ڈھیر لگا دیا گیا ہو۔ وہ وزیر اعظم کے محل میں سپہ سالار اور وزیر خارجہ کے ساتھ کھانا کھا چکا تھا۔ بغداد میں اس کے لیے سپہ سالار کا دستِ راست اور مصر میں اس کے لیے سفیر بننے کے دروازے کھل چکے تھے۔ اسے اپنی زندگی میں پہلی بار اپنی اہمیت کا احساس ہوا۔ اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ اگر میں بغداد کی کوئی خدمت کر سکوں تو کسی کو دوستی میرے راستے میں حائل نہیں ہو سکتی۔

مہلب نے فوراً جواب دیا۔ آپ بغداد کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں اور اپنے دوستوں کے لیے بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اگر آپ عبدالملک اور عبدالعزیز کو افسوس ناک تباہی سے بچانا چاہتے ہیں تو آپ کے سامنے صرف ایک ہی راستہ ہے۔

وہ کیا؟

انہیں سمجھائیں!

افضل نے جواب دیا۔ میری زبان طاہر کا جادو نہیں توڑ سکتی۔

طاہر کے متعلق ہمیں اب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ خوارزم کے ایما پر بغداد میں بغاوت کروانا چاہتا ہے۔ جس دن اس کا مقصد پورا ہو گا۔ وہ خوارزم چلا جائے گا لیکن اس کی کارگزاری کی سزا اس کے دوستوں کو بھگتنا پڑے گا۔

افضل جانتا تھا کہ یہ طاہر کے خلاف ایک بہتان ہے لیکن جب انسان کے دل میں بری خواہش پیدا ہوتی ہے تو وہ ضمیر کو تسلی دینے کے لیے غلط باتوں پر بھی یقین کر لیتا ہے۔ وہ بولا۔ اگر یہ بات ہے تو آپ کیا سوچ رہے ہیں؟

مہلب نے کہا۔ ہم اسے گرفتار کرنا ضروری سمجھتے ہیں لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ فوج کے ساتھ ان لوگوں کا تصادم ہو جنہیں اس نے جھوٹی سچی باتوں سے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ ایک مجرم کو گرفتار کرنے کے لیے کئی بے گناہوں کو خون بہایا جائے۔ ہم طاہر کے ساتھ بھی کوئی سختی نہیں کرنا چاہتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسے سمجھا بجھا کر یہاں سے نکال دیا جائے۔ اس کے چلے جانے کے بعد یہ فتنہ خود بخود ٹھنڈا پڑ جائے گا۔

افضل کی دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ جھوٹ ہے، یہ لوگ اس کے خون کے پیاسے ہیں لیکن اس کے ضمیر کے لیے یہ ایک اور تسلی تھی۔ اس نے کہا۔ اگر آپ مجھے یقین دلائیں کہ اس پر سختی نہیں کی جائے گی تو میں آپ کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے تیار ہوں۔

مہلب نے کہا۔ اس پر سختی کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ مجھے تو یہ بھی یقین ہے کہ اس کی نیت بُری نہیں۔ خلیفہ یا حکومت کے کسی عہدے دار کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اگر وہ بغداد کے لوگوں کو بھڑکانے کی بجائے سیدھا ہمارے پاس آتا تو ہم اس کی غلط فہمی دُور کر سکتے تھے لیکن اب جب تک وہ گرفتار نہیں ہوتا، ان کے ساتھ ہم بات تک نہیں کر سکتے۔ میرے لیے یہ بڑے دُکھ کی بات ہے کہ اتنا بہادر اور بیدار مغز نوجوان قوم کے کام آنے کی بجائے قوم میں انتشار ڈال رہا ہے اور وہ بھی ایک غلط فہی کی وجہ سے۔ میں نے اس کے ساتھ ملاقات کی کوشش کی لیکن اس

کی خفیہ محفلوں تک رسائی نہیں ہو سکی۔ اگر آپ میری مدد کریں تو ایک بہت بڑا کام ہو گا۔

سپہ سالار نے کہا۔ افضل اگر اس بارے میں کچھ کر سکتا تو یقیناً آپ کا ساتھ دے گا۔

قاسم نے کہا۔ آپ اطمینان رکھیے۔ جو شخص مسلمانوں کی بہتری کے لیے اپنی جان تک قربان کرنے کی ہمت رکھتا ہے۔ وہ کسی کی دوستی کی پروا نہیں کرے گا؟

افضل کے ضمیر پر اب ملامت کا بوجھ ہلکا ہو چکا تھا۔ اس نے کہا بات یہ ہے کہ میں چونکہ ابھی تک فوج سے مستعفی نہیں ہوا۔ وہ مجھ پر زیادہ اعتماد نہیں کرتے۔ طاہر کے چند ٹھکانے مجھے معلوم ہیں لیکن یہ معلوم نہیں کہ آج وہ کہاں ہو گا؟ اسے صرف رات کو سوتے وقت پکڑا جا سکتا ہے۔ دن کے وقت اس کے گرد بہت آدمی ہوتے ہیں۔ میں ایک دو دن تک آپ کو پتہ دے سکوں گا کہ وہ ان دنوں کہاں سوتا ہے۔

مہلب نے کہا۔ اگر آپ اس مہم میں کامیاب ہوئے تو مجھے یقین ہے کہ خلیفہ اور وزیر اعظم ذاتی طور پر آپ کا شکریہ ادا کریں گے اور ممکن ہے کہ آپ کو نہایت اہم عہدے کا مستحق سمجھا جائے۔

افضل نے کہا۔ لیکن آپ یہ وعدہ یاد رکھیے کہ طاہر کے ساتھ برا برتاؤ نہیں کیا جائے گا۔

مہلب نے جواب دیا۔ میں اس وعدے پر قائم ہوں۔

مہلب نے اٹھتے ہوئے قاسم سے کہا۔ ابھی وزیر اعظم سے ان باتوں کا ذکر نہ کیجیے۔

قاسم نے جواب دیا۔ نہیں۔ میں خود چاہتا ہوں کہ جب تک ہم اس مقصد

میں کامیاب نہیں ہوتے، ہماری دوڑ دھوپ کا کسی کو علم نہ ہو۔

(۳)

قاسم اپنے مہمانوں کو رخصت کرنے کے لیے باہر کے دروازے تک ان کے ساتھ آیا۔ دروازے پر پہنچ کر مہلب نے کہا۔ کل وزیراعظم نے شکایت کی تھی کہ ان کے جاسوسوں سے آپ کا محل محفوظ نہیں۔ کسی نے آج بھی ہماری باتیں سن لی ہوں تو؟

قاسم نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ اس کمرے کی چھت میں صرف کبوتروں کا ایک جوڑا رہتا ہے اور ان کے کان ہیں، زبان نہیں۔

لیکن واپس آتے وقت قاسم کسی قدر پریشان ہو کر اس سوال کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اسے خدشہ محسوس ہونیلگا کہ اگر طاہر کو اس سازش کا پتہ چل گیا تو اس کی آئندہ تقریر بہت سخت ہو گی۔

راستے میں پھولوں کی کیاری سے اس نے چند پھول توڑے اور اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر وہ تھوڑی دیر کے لیے کھڑا سوچتا رہا اور پھر مسکراتا ہوا صفیہ کے کمرے کی طرف چل دیا۔ خدا جانے اسے مجھ سے اس قدر چڑ کیوں ہے۔ وہ بار بار اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔

اگر وہ سو رہی ہوتی تو قاسم دبے پاؤں اس کے بستر پر پھول رکھ کر چلا آتا۔ لیکن اس کمرے کے نیم دا دروازے میں سے روشنی آ رہی تھی۔ وہ دروازے کے قریب پہنچ کر رُکا اور کچھ سوچ کر واپس چل دیا لیکن دو تین قدم چلنے کے بعد اُسے کمرے کے اندر کسی کے آہستہ آہستہ بولنے کی آواز آئی۔ سکینہ اور رضیہ ایک دوسری کو سوتے وقت کہانیاں سُنایا کرتی تھیں۔ لیکن یہ آواز قدرے موٹی تھی۔ پھر اُسے صفیہ

آہستہ آہستہ بولتی سنائی دی اور وہ جلدی سے مڑ کر دروازے کے قریب جا کھڑا ہوا۔

دیکھو! یہ باتوں کا وقت نہیں۔تم جلدی جاؤ۔ میں بار بار تمہیں تکلیف نہیں دوں گی۔

یہ لو میری انگوٹھی۔ میں تمہیں اور بھی بہت کچھ دوں گی!

قاسم جلدی سے پیچھے ہٹ کر ایک ستون کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ دروازہ کھلا اور ایک لونڈی تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی قاسم کے قریب سے گزر گئی۔

قاسم دبے پاؤں وہاں سے نکلا اور ایک اور راستے سے لونڈی سے پہلے محل کی سیڑھیوں پر جا پہنچا، لونڈی نے نیچے اترتے ہوئے اسے دیکھا اور ٹھٹھک کر رہ گئی۔

تم اس وقت کہاں جا رہی ہو؟ قاسم نے سوال کیا۔

جی میں۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔!لونڈی خوف زدہ ہو کر کانپنے لگی۔

قاسم نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ میں بھوت نہیں ہوں۔تم ڈرتی کیوں ہو؟

ادھر آؤ!

قاسم نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے کمرے میں لے گیا۔

بتا کہاں جا رہی تھی تو؟

لونڈی نے چند الٹے سیدھے بہانے کیے لیکن قاسم نے ایک چمکتا ہوا خنجر نکال کر دکھایا تو وہ چلائی۔ میں سب کچھ بتا دیتی ہوں۔ مجھے صفیہ نے یہ خط دے کر بھیجا ہے۔

کہاں؟

دروازے کے ایک پہرے دار کے پاس؟

بکتی ہو تم۔قاسم نے خنجر کی نوک اس کے سینے پر رکھ دی۔

نہیں نہیں۔ میں سچ کہتی ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ پہرے دار یہ خط کہاں

لے جائے گا۔

وہ خط کہاں ہے؟

لونڈی نے اپنی آستین سے ایک ریشمی رومال نکالا اور اس کے اندر لپٹا ہوا کاغذ نکال کر قاسم کے ہاتھ میں دے دیا۔ قاسم نے یہ رُقعہ پڑھا۔ مختصر تحریر یہ تھی۔

”آپ کے متعلق ایک خطرناک فیصلہ ہو چکا ہے۔ افضل آپ کو پکڑوانے کا عہد کر چکا ہے۔ بہت سے باتیں ایسی ہیں جو میں زبانی کہنا ضروری سمجھتی ہوں۔ قاصد آپ کو وہ جگہ بتا دے گا جہاں آپ مجھے کسی خطرے کا سامنا کیے بغیر مل سکتے۔ خُدا کے لیے ضرور آئیں!“

غصے سے قاسم کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ لونڈی اس کی سفاک آنکھوں کی تاب نہ لا کر رونے لگی۔

خاموش! قاسم نے گرج کر کہا۔

میں بے قصور ہوں۔ مجھ پر رحم کیجیے۔ میں ایک لونڈی ہوں۔ میں صفیہ کے حکم کی تعمیل سے انکار کیسے کر سکتی تھی۔ مجھے معاف کیجیے۔

تمہارے بچاؤ کی یہی صورت ہے کہ تم مجھ سے کوئی بات نہ چھپاؤ۔

میں سب کچھ بتانے کے لیے تیار ہوں۔

صفیہ نے ملاقات کے لیے کون سی جگہ بتائی ہے اور وہ پہرے دار کون ہے جس کے پاس تم یہ خط لے جا رہی ہو۔

وہ سعید ہے اور صفیہ نے مجھے کہا ہے سعید اسے جنوبی دروازے پر لے آئے۔

اس سے پہلے بھی کبھی ان کی ملاقات ہوئی ہے؟

نہیں۔

پیام رسانی؟

ہاں!

تمہیں معلوم نہیں کہ جس کے پاس یہ پیغام جاتے ہیں، کون ہے؟

جی نہیں۔ اس کا صرف سعید اور جنوبی دروزہ کے پہرے دار کو علم ہے۔ صفیہ نے مجھے صرف یہ بتایا ہے کہ وہ ایک بے گناہ کی جان بچانا چاہتی ہے۔

بہت اچھا۔ تم ابھی یہ رُقعہ سعید کو جا کر دے دو لیکن اگر تم نے اسے بتا دیا کہ میں نے یہ رُقعہ دیکھ لیا ہے تو تمہیں ہاتھ پاؤں باندھ کر دجلہ میں پھینک دیا جائے گا اور واپس آ کر صفیہ سے بھی اس بات کا ذکر نہ کرنا لیکن اگر اس نے یہ پوچھا کہ تم نے دیر کیوں لگائی تو تم کیا جواب دو گی؟

لونڈی نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ میں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی۔ میں کہوں گی کہ میں نماز کے لیے رُک گئی تھی۔

تم بہت ہوشیار ہو۔ یہ لو۔ تمہیں اور بھی بہت کچھ ملے گا۔ قاسم نے چند سنہری سکے اس کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

(۴)

سعید نے بغداد کی گنجان آبادی کا ایک تنگ گلی میں سے گزرنے کے بعد ایک پُرانے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ ایک شخص باہر نکلا اور سعید کو پہچان کر ایک اور تنگ گلی میں لے گیا۔

کوئی ضروری پیغام ہے؟ اس نے راستے میں سوال کیا۔

نہایت ضروری۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ایک سہ منزلہ مکان کے دروازے پر رُکے اور سعید کے ساتھی نے پانچ دفعہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد دروازہ کھٹ کھٹایا۔ کسی نے اندر سے دروازے کی چھوٹی سی کھڑکی کھول کر باہر جھانکا اور سعید کے ساتھی کو پہچان کر دروازہ کھول دیا۔

سعید کے ساتھی نے کہا۔ انہیں اندر لے جاؤ!

سعید اندر داخل ہوا تو پہرے دار نے پھر دروازہ بند کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد طاہر، عبدالعزیز اور عبدالملک صفیہ کا رُقعہ پڑھ کر سعید سے طرح طرح سے سوالات پوچھ رہے تھے۔ سعید نے اس بات کی تصدیق کی کہ افضل محل میں گیا تھا اور یہ بھی بتایا کہ اس نے مہلب اور سپہ سالار کو بھی وہاں آگے جاتے دیکھا ہے لیکن وہ یہ نہ بتا سکا کہ صفیہ نے طاہر کو اس وقت کیوں بلایا ہے۔ تینوں دوست کچھ دیر اس موضوع پر بحث کرتے رہے۔ عبدالعزیز کی رائے تھی کہ سپہ سالار وزیر خارجہ اور وزیر اعظم نے افضل سے ہمارے ٹھکانے معلوم کر کے یقیناً کوئی خطرناک فیصلہ کیا ہو گا اور صفیہ ایک عورت کی طرح آپ کے مقصد سے آپ کی جان کو زیادہ قیمتی خیال کرتی ہے۔ وہ غالباً آپ سے یہی کہے گی کہ آپ چاروں طرف سے خطرے میں گھرے ہوئے ہیں، اس لیے اپنی جان کی فکر کیجیے۔

عبدالملک نے کہا۔ اپنی معلومات کی روشنی میں صفیہ کو عام لڑکیوں میں شمار کرنے پر احتجاج کرتا ہوں، اگر اسے نسوانی جذبات کا اظہار مقصود ہوتا تو وہ اس خط میں چند سطور کا اضافہ کر سکتی تھی۔

عبدالعزیز نے کہا۔ لیکن اس خط کا اختصار تو صرف یہ ظاہر کرتا ہے کہ اسے لکھنے کا موقع نہیں ملا۔

عبدالملک نے کہا۔ یعنی اسے کوئی مجبوری درپیش ہو گی۔ اس مجبوری کی وجہ سے اس نے طاہر کو بُلایا ہے۔ اب اگر طاہر نہ گیا تو وہ کیا خیال کرے گی!

طاہر نے اُٹھ کر تلوار سنبھالتے ہوئے کہا۔ اس نے مجھے خدا کے نام کا واسطہ دیا ہے۔ میں ضرور جاؤں گا۔ اس نے ایک دفعہ میری جان بچائی ہے اگر میرے سر پر اس کا یہ احسان نہ بھی ہوتا تو بھی میں اپنی قوم کی بیٹی کی آواز پر لبیک ضرور کہتا۔

عبدالعزیز نے کہا۔ تو میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔

نہیں۔ طاہر نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ہمیں اس پر اعتماد کرنا چاہیے۔ اگر کوئی خطرہ ہوتا تو وہ مجھے وہاں تنہا پہنچنے کی دعوت نہ دیتی۔

(۵)

وزیر اعظم کے محل کے جنوبی پھاٹک سے اندر داخل ہونے کے بعد طاہر کو چاند کی روشنی میں صفیہ دکھائی دی۔ وہ کھلی فضا سے نکل کر ایک گھنے درخت کے سائے میں کھڑی ہو گئی۔ طاہر نے اس کے قریب پہنچ کر کہا:۔

کہیے!

مجھے افسوس ہے کہ آپ کا ایک دوست غدار ہو گیا ہے۔

طاہر نے کہا۔ یہ اب تک آپ اپنے مکتوب میں ظاہر کر چکی ہیں۔ وہ ضروری باتیں پوچھنا چاہتا ہوں جن کا آپ نے خط میں ذکر کیا ہے۔

خشک پتوں کے اس انبار کی طرح جنہیں تیز بگولا اُڑا کر لے جاتا ہے۔ صفیہ نے الفاظ کے جو ذخیرے جمع کیے تھے، وہ منتشر ہو گئے۔ وہ خود اپنے دل سے پوچھ رہی تھی کہ میں نے اسے کیوں بُلایا ہے؟

اس نے اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ میری ایک

درخواست ہے۔

میرے لیے آپ کی ہر درخواست حکم کا درجہ رکھتی ہے۔

حکومت آپ کو گرفتار کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اگر چند دن وہ آپ کو پُر امن طریقے سے گرفتار نہ کر سکے تو مجھے یقین ہے کہ وہ قوت کے استعمال سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

طاہر نے اطمینان سے کہا۔ مجھے معلوم ہے۔

تو خدا کے لیے یہاں سے چلے جایئے۔ آپ کو ہر وقت خطرہ ہے۔

میں خطرات سے نہیں ڈرتا لیکن آپ کو ہر وقت خطرہ ہے۔

میں خطرات سے نہیں ڈرتا لیکن آپ کو مشورے سے پہلے ہی میں یہاں سے جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔

کب جائیں گے؟

بہت جلد۔

تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیے!

طاہر چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا لیکن صفیہ نے آگے بڑھ کر اس کا دامن پکڑ لیا۔ اس نے کہا۔ یہ محل میرے لیے ایک قید خانہ ہے۔ دنیا میں میرا کوئی نہیں۔ میں اس زندگی سے تنگ آ چکی ہوں۔ میں مدینے جا کر کسی جھونپڑی میں رہنا پسند کروں گی۔ مجھے بغداد سے نفرت ہے۔ مجھے ان ایوانوں سے نفرت ہے جہاں انسان کے بھیس میں سانپ رہتے ہیں۔

آپ کو شاید معلوم نہیں کہ میری منزل مدینہ نہیں خوارزم ہے۔

میں وہاں جانے کے لیے بھی تیار ہوں۔

لیکن وہاں کے حالات آپ کو معلوم نہیں ۔وہاں پہلے ہی قوم کی ہزاروں ایسی بیٹیاں موجود ہیں جن کا نگہبان کوئی نہیں ۔ میں ان میں ایک اور اضافہ نہیں کرنا چاہتا ۔

تو میں آپ کے واپس آنے تک انتظار کروں گی ۔آپ وعدہ کریں کہ آپ مجھے بھول نہیں جائیں گے ۔

طاہر کو ثریا کا خیال آیا اور اس نے مغموم آواز میں کہا۔مجھ سے غلطی ہوئی ۔میرا خیال تھا کہ آپ کو میرے مقاصد سے ہمدردی ہے ۔

صفیہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہوگئی ۔اس نے دردبھری آواز میں کہا۔آپ جائیے ۔ میں سمجھتی تھی کہ آپ اپنے دل میں انسانیت کا درد رکھتے ہیں لیکن آپ خود پسند ہیں ۔آپ کو صرف اپنی ذات سے محبت ہے ۔

طاہر نے کہا۔کاش! آپ کو معلوم ہوتا کہ میں کانٹوں پر چلنے کے لیے پیدا ہوا ہوں ۔ میں آپ کو اپنے ساتھ نہیں گھسیٹ سکتا۔آپ نے میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے ۔شاید میں اس کا بدلہ نہ دے سکوں ۔میری گردن ہمیشہ جھکی رہے گی ۔ میں خود پسند نہیں ہوں لیکن ایک سپاہی کی زندگی میں ایسے مرحلے آتے ہیں جب اسے اپنی زندگی کی عزیز ترین خواہشات قربان کرنا پڑتی ہیں ۔وہ کسی کے پسینے کے بدلے خون تک گرانے کے لیے تیار رہتا ہے ۔لیکن اسے فرض مجبور کرتا ہے تو وہ اس کے آنسوؤں کی بھی پروا نہیں کرتا اور میدانِ جنگ میں چلا جاتا ہے ۔آپ ایک عالیشان محل میں رہ کر بھی اپنا دم گھٹتا محسوس کرتی ہیں لیکن ترکستان میں آپ کی ہزاروں بہنیں ایسی ہیں جنہیں اس کھلے آسمان کے نیچے سر چھپانے کو جگہ نہیں ملتی ۔اس وقت میری توجہ کی زیادہ حقدار وہ ہیں ۔اسلام کی بدنصیب بیٹیاں ،اپنی عراق ،عرب اور مصر کے

پُرامن شہروں میں رہنے والی بہنوں کو پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہیں کہ اگر تمہارے بھائی، شوہر اور عزیز ہماری مدد کو پہنچ سکتے ہیں تو خدا کے لیے ان کا راستہ نہ روکو!

صفیہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ مجھے معاف کیجیے۔ جائیے خُدا آپ کی مدد کرے۔ میں نے آپ کو غلط سمجھا۔ میں ایک عورت ہوں۔ جائیے۔۔۔۔!

وہ دروازے تک اس کے ساتھ آئی۔ سعید کے اشارے سے پہرے دار نے دروازہ کھول دیا۔ طاہر نے ایک بار مُڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ اسکے چہرے پر بشاشت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ آنسوؤں میں ڈھلی ہوئی حسین اور مقدس مسکراہٹ جو بیک وقت روح پرور بھی تھی اور حوصلہ شکن بھی!

آپ مجھ سے خفا تو نہیں؟ طاہر نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

نہیں۔ اس نے میٹھی آواز میں کہا۔ آپ مجھے بھول تو نہیں جائیں گے؟

کبھی نہیں طاہر نے جواب دیا۔

طاہر تیزی سے قدم اُٹھاتا ہوا باہر نکلا اور صفیہ دروازے میں کھڑی ہو کر اُسے دیکھنے لگی۔ وہ سیڑھیوں سے نیچے اتر رہا تھا کہ اچانک دائیں اور بائیں ہاتھ سے سپاہیوں کی دو ٹولیاں نمودار ہوئیں۔ طاہر تلوار نکالنے سے پیشتر پندرہ بیس آدمیوں کی گرفت میں آ چکا تھا۔

صفیہ نے جلدی سے کہا۔ سعید تم بھاگ جاؤ!

سعید اور دو پہرے دار پوری رفتار سے محل کے ایک کونے کی طرف بھاگے۔ صفیہ نے دروازے سے نکلی لیکن قاسم نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا اور کہا۔ صفیہ! تم نے آج بہت بڑا کام کیا۔ چلو اب آرام کرو۔ اور وہ اس کی آہنی گرفت میں بے بس ہو کر ساتھ چل دی۔ چند قدم چلنے کے بعد قاسم نے رُک کر سپاہیوں کو آواز

دی۔ سعید شاید بھاگ گیا ہے۔ اسے بھی گرفتار کرلو۔

محل کے اندر پہنچ کر قاسم نے صفیہ کو اس کے کمرے کے اندر دھکیل دیا اور باہر سے کنڈی لگا دی۔

واپس آ کر مہلب کے اِصرار پر قاسم نے طاہر کو اس کے سپُرد کر دیا۔ سعید دوسرا پہرے دار محل کا کونہ کونہ چھان مارنے کے باوجود بھی نہ ملے۔ بالآخر ایک سپاہی نے خبر دی کہ محل کی ایک کشتی غائب ہے۔ اس وقت تک وہ دوسرے کنارے پہنچ چکے ہوں گے۔

آدھی رات کے بعد جب مہلب، طاہر کو قید خانے کے داروغہ کے سپُرد کرکے ہدایات دے رہا تھا۔ سعید اور اس کا ساتھی عبدالملک اور عبدالعزیز کو اپنی سرگزشت سُنا رہے تھے۔

(۶)

طاہر بن یوسف دریائے دجلہ کے کنارے بڑے قید خانے کی ایک زمین دوز کوٹھڑی میں بند تھا۔ صبح ہو چکی تھی لیکن قید خانے میں ابھی تک تاریکی تھی۔ دو پہرے دار آئے اور اسے سوتا دیکھ کر کھانا رکھ کر چلے گئے۔ ایک دو مرتبہ طاہر کی آنکھ کھلی لیکن کمرے میں تاریکی پا کر وہ پھر کروٹ بدل کر سو گیا۔ بالآخر اس نے محسوس کیا کہ اسے کوئی جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگا رہا ہے۔

کون؟ اس نے انگڑائی لیتے ہوئے سوال کیا۔

آہستہ بولو!

طاہر نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں اور تاریکی میں غور سے دیکھنے کے بعد اپنے قریب ایک اور آدمی کو پا کر اُٹھ بیٹھا۔

اجنبی نے کہا۔ جب سے یہ قید خانہ بنا ہے، شاید اتنی دیر سونے والا یہاں کوئی نہیں آیا۔ اب تو دوپہر ہونے والی ہے۔

طاہر نے جواب دیا۔ میں کئی راتوں سے اطمینان کی نیند نہیں سویا۔

تو اطمینان رکھو، یا تم باقی عمر مزے کی نیند سو سکو گے۔

تم کون ہو؟

میں کبھی کوئی تھا لیکن اب تو میں ایک قیدی ہوں۔

رات جب مجھے یہاں لایا گیا تھا تو میرے خیال میں یہاں اور کوئی نہیں تھا۔

شاید تمہیں ابھی یہاں پہنچایا گیا ہے۔

نہیں ۔ میں کئی مہینے سے شاہی مہمان ہوں ۔ میری اور آپ کی کوٹھڑی کے درمیان ایک دیوار کا پردہ ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہ زمین دوز کمرے بہت کشادہ تھے لیکن بعد میں قیدیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر ان کے درمیان دیواریں کھڑی کر کے انہیں دو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

تو آپ کس راستے سے یہاں پہنچے؟

اجنبی نے جواب دیا۔ آؤ میں تمہیں دکھاتا ہوں ۔ شروع شروع میں یہاں دیکھنا مشکل ہوتا ہے ۔ میرا بازو پکڑ لو گھبراؤ نہیں ۔ چند دن کے بعد تمہیں بھی میری طرح تاریکی میں دیکھنے کی عادت ہو جائے گی۔

طاہر نے اجنبی کے ساتھ ایک تنگ محراب سے گزرتے ہوئے کہا۔ یہ راستہ تو بہت کشادہ ہے۔

اجنبی نے جواب دیا۔ نہیں ابھی تک آپ نے اپنی کوٹھڑی کا جائزہ نہیں لیا ۔ یہ دروازہ اسے دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے ۔ میری کھوٹھڑی بھی اس طرح کی ہے!

چند قدم اور چلنے کے بعد اجنبی نے جھک کر زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ دیکھو، یہ سُوراخ میری کمرے میں جاتا ہے۔ یہاں سے گزرنے کے لیے نشق کی ضرورت ہے۔ تم شاید نہ گزر سکو۔ تم ذرا موٹے ہو لیکن تم بھی بہت جلد میرے جیسے ہو جاؤ گے۔ جب میں یہاں آیا تھا میں بھی کافی موٹا تھا۔ قریباً ایک ماہ کے بعد یہاں کی نمی کی وجہ سے ہلکا ہلکا بخار شروع ہو جاتا ہے اور بھوک مر جاتی ہے۔

یہ راستہ تم نے کیسے دریافت کیا؟

جب میں یہاں لایا گیا تھا تو اس کمرے میں ایک شخص کبھی کبھی دیوار سے ٹکریں مارا کرتا تھا۔ دو تین دن میں کوئی توجہ نہ دی لیکن ایک دن میں نے اس کے جواب میں دیوار کو کھٹ کھٹنا شروع کر دیا تو تھوڑی دیر کے بعد کسی نے میرے کمرے میں دیوار کے قریب سل اوپر اُٹھائی اور سر باہر نکال کر کہا۔ السلام علیکم! میں اس قدر ڈرا کہ اگر باہر نکلنے کا راستہ ہوتا تو میں شاید دریا میں بھی چھلانگ لگانے سے دریغ نہ کرتا۔ وہ بولا۔ ڈرو نہیں۔ میں تمہارا پڑوسی ہوں۔ تھوڑی دیر غور سے دیکھنے کے بعد میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ قاضی ابُو داؤد تھا جس نے ایک مقدمے میں سابق وزیراعظم کی مرضی کے مطابق فیصلہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ راستہ انہوں نے میرے یہاں آنے سے بہت مدت پہلے کھودا تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ بے کاری سے اُکتا کر میں نے اس دیوار کے قریب فرش کی دو سلیں اکھاڑ ڈالیں اور فرش کی نم دار مٹی کو ایک ٹوٹے ہوئے برتن کے ٹھیکرے کے ساتھ کھودنا شروع کر دیا۔ وہ کہتے تھے کہ چند دنوں میں انہوں نے یہ سُوراخ نکال لیا تھا لیکن اس کمرے میں کسی کو نہ پا کر انہیں بہت افسوس ہوا۔ پہلی ملاقات کے بعد ہی مجھے انہوں نے اپنا گرویدہ بنا لیا لیکن وہ ڈیڑھ ماہ کے بعد چل بسے۔ پہریدار یہاں صبح و شام صرف دو

بار آتے ہیں۔اس کے بعد سارا دن اور ساری رات ہم ایک دوسرے سے مل سکیں گے۔صرف جمعہ کے دن وہ صفائی کے لیے آتے ہیں اس دن آپ سُوراخ پر یہ بلیں رکھ دیا کریں اور بہتر ہو گا کہ اپنا بچھونا بھی یہیں ڈال دیا کریں۔قید تو یقیناً میری طرح آپ کو بھی لامتناہی ہو گی۔مجھے معلوم ہے کہ قید خانے کے اس حصے میں صرف وہی لوگ بھیجے جاتے ہیں جن کا کوئی جرم نہیں ہوتا لیکن تم تو نوجوان ہو۔میں حیران ہوں کہ حکومت نے تمہیں اتنی اہمیت کیوں دی ہے؟ میں نے شاید تمہیں کہیں دیکھا ہے! چلو دوسری طرف چلیں۔اُدھر تاریکی ذرا کم ہے۔

طاہر! اجنبی کے ساتھ پھر اپنی جگہ آ بیٹھا۔

اجنبی نے کہا۔تم کھانا کھا لو۔

طاہر نے جواب دیا۔مجھے بھوک نہیں۔

اجنبی نے کہا۔حقیقت یہ ہے کہ یہاں آکر پہلے دن کوئی قیدی کھانا نہیں کھاتا۔میں نے بھی دو دن نہیں کھایا تھا لیکن آہستہ آہستہ عادی ہو جاتا ہے۔اچھا یہ بتاؤ تم یہاں کیونکر پہنچے، میں تمہارے اور کسی کام نہیں آ سکتا۔لیکن اپنی اپنی سرگزشت سُنا کر ہم ایک دوسرے کا بوجھ ہلکا کر سکتے ہیں۔مجھے شک پڑتا ہے کہ میں نے تمہیں کہیں دیکھا ضرور ہے یہاں آکر حافظے پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔

میرا نام طاہر بن یُوسف ہے۔

طاہر بن یوسف؟ میں نے یہ نام بھی سنا ہے۔تم فوج میں تھے؟

نہیں۔

تو پھر کس محکمے میں تھے؟

کسی میں نہیں۔میں بغداد میں ایک بہت بلند مقصد لے کر آیا تھا۔

تو پھر ٹھیک ہے۔ یہ کوٹھڑیاں صرف بغداد میں بلند مقاصد لے کر آنے والوں کو نصیب ہوتی ہیں۔ خلیفہ اور سلطنت کے عہدے داروں کا عتاب صرف ان لوگوں پر نازل ہوتا ہے جن سے خدا خوش ہو۔ اچھا، اب مجھے شروع سے اپنی سرگزشت سناؤ!

طاہر نے بغداد میں اپنی آمد اور قاسم کے ساتھ تیغ آزمائی کے واقعات سے اپنی سرگزشت شروع کی۔

اجنبی نے اسے ٹوکتے ہوئے سوال کیا۔ مجھے یاد آیا۔ تم وہی نوجوان ہو۔ ارے میں نے اس دن دُعا مانگی تھی کہ خدا تمہیں نظرِ بد سے بچائے۔ اچھا آگے سناؤ!

طاہر نے خوارزم کے سفیر کے ساتھ ملاقات کا ذکر کیا تو وہ چونک اُٹھا۔ میری طرف دیکھو۔ میں ہوں وحیدالدین!

آپ؟ طاہر نے اچانک سوال کیا۔

ہاں! میں وہی بد نصیب ہوں۔ مجھے یہاں سے رہائی کی اُمید نہیں اور آپ کو اپنی معصومیت کا یقین دلا کر میں آپ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرسکتا لیکن چونکہ ہم ساتھی ہیں۔ اس لیے آپ کی تسکین کے لیے خدا کو حاضر ناظر جان کر قسم کھاتا ہوں کہ میں نے چنگیز خان کے پاس کوئی ایلچی نہیں بھیجا تھا!

طاہر نے کہا۔ مجھے آپ پر یقین ہے۔ اگر آپ پر وہ کوئی جرم ثابت کر سکتے تو کھلی عدالت میں مقدمہ چلاتے، میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کو کب اور کیسے اس قید خانے میں بھیجا گیا؟

آپ پہلے اپنی سرگزشت ختم کریں۔ پھر میں آپکو آپ کے تمام سولات کا جواب دوں گا۔ طاہر نے آخر تک اپنی سرگزشت سُنائی۔ وحیدالدین کچھ دیر گہری سوچ میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر وہ بولا۔ اب میں آپ کے سوال کا جواب دیتا

ہوں۔ آپ کی سرگزشت سننے کے بعد میرا یہ شک یقین کی حد تک پہنچ چکا ہے کہ میں مہلب بن داؤد کی سازش کا شکار رہا ہوں۔ یہ شخص بغداد میں چنگیز خان کے سفیر کا ملازم تھا۔ شہزادہ مستنصر کی سفارش پر میں نے اسے اپنے دفتر میں رکھ لیا۔ جہاں تک علم کا تعلق ہے۔ میں اب بھی اس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اپنی عمر کے لحاظ سے وہ بہت ہوشیار ہے۔ شہزادہ مستنصر کی بدولت اس نے خلیفہ تک رسائی حاصل کر لی اور میں یہ محسوس کرنے لگا کہ میں برائے نام وزیر خارجہ ہوں، ورنہ وہ سیاہ و سپید کا مالک ہے۔ اگر میرے دن اچھے ہوتے تو میں پہلے ہی مستعفی ہو جاتا لیکن میرے مقدر میں یہ ذلت تھی۔ میں نے ایک دفعہ اُسے مستعفی ہونے کے لیے کہا لیکن اس نے خلیفہ کے پاس شکایت کی۔ خلیفہ نے مجھے ڈانٹا۔ اس کے بعد میں نے اس کیطرف سے آنکھیں بند کر لیں۔ چنگیز خان کے عروج کی داستانیں مشہور ہوئیں تو اس نے مجھے مشورہ دیا کہ اس کیساتھ دوستانہ معاہدہ کر کے خوارزم کے خلاف متحدہ محاذ بنایا جائے۔ میں نے اس کی تجویز کی مخالفت کی اور وہ چپ رہا۔ میں نے وزیراعظم سے کئی بار شکایت کی کہ یہ شخص خطرناک ہے لیکن اس نے اس بات کی پروا نہ کی۔ ایک دن مجھے خلیفہ نے بلا کر یہ حکم دیا کہ میں چنگیز خان کے نام دوستی کا پیغام بھیجوں۔ لیکن میں نے یہ عذر پیش کیا کہ موجودہ صورت میں ہمارے کسی ایلچی کو خوازم کی حدود عبور کر کے قراقرم پہنچنا ممکن نہیں۔ اگر وہ راستے میں پکڑا گیا تو دربارِ خلافت کی بدنامی ہو گی۔ خلفیہ نے میرا اعتراض سن کر کوئی زور نہ دیا لیکن چند دن بعد مہلب نے بتایا کہ آج وزیراعظم نے خلیفہ کو ایک خط پیش کیا ہے جو حکومت خوارزم نے حکومت بغداد کے ایک ایلچی کی تلاشی لینے کے بعد برآمد کر کے بغداد میں اپنے سفیر کو بھیج دیا ہے۔ اس نے مجھے یہ بتایا کہ اس خط پر میرے دستخط ہیں۔ اس لیے مجھ

سے باز پرس ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ میں روپوش ہو جاؤں لیکن میں نے اس کا مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا۔ چونکہ میں نے ایسا خط نہیں لکھا، اس لیے مجھے باز پُرس کا ڈر نہیں۔ میں ابھی خوارزم کے سفیر، وزیر اعظم اور خلیفہ کے سامنے یہ معاملہ صاف کرتا ہوں لیکن جب میں مکان سے باہر نکلا تو آٹھ دس سپاہی اور کوتوال دروازے پر کھڑے تھے۔ مہلب کے اشارے پر مجھے گرفتار کر لیا گیا۔ اب مجھے یقین ہے کہ مہلب نے میری جعلی دستخطوں سے یہ خط بھجوایا تھا اور خلیفہ کا میرے بعد اسے وزیر خارجہ کا عہدہ دینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ سب کچھ خلیفہ کے حکم سے ہوا۔ وہ بدنامی کے خوف سے مجھ پر مقدمہ چلانے سے ڈرتے تھے اور خوارزم کے سفیر کو تسلی دینے کے لیے انہوں نے مجھے یہاں بھیج کر مشہور کر دیا ہوگا کہ مجرم کہیں روپوش ہو گیا ہے۔

"تو آپ کے خیال میں وزیر اعظم اس سازش میں شریک نہ تھا؟

نہیں۔ اگر وہ اس سازش میں شریک ہوتا تو میرے ساتھ مہلب کو بھی یہاں ہونا چاہیے تھا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ میری گرفتاری کا بھی اس کو علم نہیں۔ ورنہ وہ میرے خلاف کھلی عدالت میں مقدمہ چلاتا۔ میں یہ مانتا ہوں کہ وہ پرلے درجے کا جی حضوری ہے لیکن اسے تاتاریوں سے نفرت ہے اور وہ خوارزم کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے کا حامی تھا۔ اس کی سب سے بڑی کمزوری صرف اپنے نالائق بیٹے سے محبت ہے۔

طاہر نے کہا۔ لیکن خلیفہ نے چنگیز خان کو پیغام بھیجنے کے لیے آپ کا نام استعمال کیوں کیا؟ وہ آسانی سے آپ کو نکال کر مہلب یا کسی اور آدمی کو آلہ کار بنا سکتا تھا۔

یہ اس لیے کہ ایلچی کے پکڑے جانے کی صورت میں کسی ایسے شخص پر حرف آئے جس کی خدمات کے خلیفہ آئندہ کے لیے ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ میرے متعلق خلیفہ کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ میں ایسے معاملے میں رازداری سے کام نہ لوں گا:

-

تیسرا حصہ۔۔۔۔ آگ اور خون

علاؤالدین محمد خوارزم شاہ نے پہلی شکست کے بعد شمال مغرب کا رخ کیا اور سیحوں کے کنارے پر پڑاؤ ڈال کر جنوب کے شہروں سے افواج کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔قوقند کی فتح کے بعد چنگیز خان نے دریائے سیحوں کے ساتھ ساتھ شمال مغرب کا رخ کرنے کی بجائے اپنی افواج کا بڑا حصہ جنوب کی طرف منتقل کر دیا اور اس محاذ سے خوارزم شاہ کی توجہ ہٹانے کے لیے اپنے دو بیٹوں کو شمال میں اترار کی طرف روانہ کر دیا۔خوارزشاہ اپنے خیال کے مطابق چنگیز خان کے بیٹوں کو دریائے سیحوں کے کنارے ایک فیصلہ کن شکست دینے کے لیے زبردست تیاریاں کر رہا تھا لیکن اچانک اسے یہ خبر ملی کہ چنگیز خان کی فوج جنوب مشرق سے دریائے جیحوں کے ساتھ ساتھ سمرقند اور بخارا کا رخ کر رہی ہے۔محمد شاہ کو ایک طرف اپنی سلطنت کے دو مضبوط ترین قلعوں کے چھن جانے کا خدشہ پیدا ہوا اور دوسری یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر تاتاری ان دو شہروں پر قابض ہو گئے تو وہ دریائے جیحوں کے کنارے جھیل ارال تک اس کے باقی تمام مورچوں پر آسانی سے قابض ہو جائیں گے اور جنوب میں اس کی رسد و کمک کے تمام راستے کٹ جائیں گے۔

محمد شاہ نے اس موقع پر یہ بھی اپنے کہنہ مشق فوجی سرداروں کا مشورہ قبول نہ کیا اور کسی ایک میدان میں اپنی قوت کے ساتھ تاتاریوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے اپنی فوج کا بیشتر حصہ مختلف شہروں کی حفاظت کے لیے بھیج دیا۔چالیس ہزار سپاہیوں کو دریا سیحوں کے کنارے کے شہروں کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر اس نے بخارا کا رخ کیا اور تیس ہزار سپاہیوں وہاں متعین کر کے باقی فوج کے ساتھ سمرقند جا پہنچا۔

اس دوران میں شمال میں چنگیز خان کا ایک بیٹا دریائے سیحوں عبور کر کے اترار

پر حملہ کر چکا تھا۔شہر کا گورنر آخری دم تک لڑتا رہا اور جب تاتاری قلعے کے دروازے توڑ کر اس کی بچی کھچی فوج تہ تیغ کر چکے تھے تو بھی وہ تنہا ایک برج پر چڑھ کر تیر برسا رہا تھا۔تیر ختم ہو گئے تو وہ اینٹیں برساتا رہا۔

اسے زندہ گرفتار کر کے چنگیز خان کے پاس بھیجا گیا۔چنگیز خان نے اس کے کانوں اور آنکھوں میں پگھلی ہوئی چاندی ڈلوا کر ہلاک کر ڈالا۔

چنگیز خان کے دوسرے بیٹے نے تاشقند پر قبضہ کر لیا۔اس کے بعد تاتاری افواج نے مختلف حصوں میں تقسیم ہو کر دریائے سیحوں کے کنارے اور کئی چھوٹے چھوٹے شہروں پر قبضہ کر لیا۔

چنگیز خان اپنے بیٹے تولائی کے ہمراہ راستے کی بستیوں اور شہروں کو خون اور آگ کا پیغام دیتا ہوا بخارا کی طرف بڑھا۔خوارزم شاہ کو سمرقند میں اس کی پیش قدمی کی اطلاع ملی۔فوج کے سرداروں کی اس مرتبہ بھی یہی رائے تھی کہ چنگیز خان کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ لڑی جائے لیکن خوارزم شاہ نے بخارا کی فصیل کو نا قابل تسخیر سمجھ کر اس مرتبہ بھی ان کی رائے ٹھکرا دی اور شہر کی حفاظت کے لیے مزید سپاہی بھیج دیئے اور جنوب کے شہروں کی افواج کو سمرقند بھیجنے کا حکم دیا۔خوارزم شاہ کو یہ توقع تھی کہ بخارا کی تسخیر میں تاتاریوں کو کئی مہینے لگ جائیں گے اور اس دوران میں وہ سلطنت میں اپنی افواج کا بکھرا ہوا شیرازہ منظم کر سکے گا۔

چنگیز خان نے چند دن کے محاصرے کے بعد محسوس کیا کہ شہر کو فتح کرنا آسان نہیں۔گزشتہ فتوحات میں وہ اسلحہ سازی کے بہت سے ماہرین کو گرفتار کر چکا تھا اور ان میں سے بعض اس کی ملازمت اختیار کر چکے تھے۔ایک شخص کے مشورے پر چنگیز خان نے فوج کو شہر پر آگ لگانے والے تیر پھینکنے کا حکم دیا۔آتشیں تیروں سے

شہر کے ایک محلے میں آگ لگ گئی اور اس سے تمام آبادی میں سراسیمگی پھیل گئی۔

ترک افواج نے مجبوراً شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا لیکن انھیں شکست ہوئی اور تاتاریوں نے انھیں چاروں طرف سے گھیر کر تہ تیغ کر ڈالا۔

فوج کی مدد سے محروم ہو جانے کے بعد اکابرین شہر نے چنگیز خان کے پاس صلح کے لیے ایک وفد بھیجنے کا فیصلہ کیا۔شہر کی ایک ہر دل عزیز شخصیت امام زادہ رکن الدین اس فیصلے کے حق میں نہ تھا۔اس نے معززین شہر کے سامنے پر جوش تقریر کرتے ہوئے کہا۔"ہم کم از کم چھ ماہ تک شہر کی حفاظت کر سکتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ موجودہ حالات میں سمرقند کی افواج یہاں پہنچ جائیں گی۔اس وقت چنگیز خان شہر کے دروازے کھلوانے کے لیے ہماری ہر شرط منظور کرلے گا لیکن تاتاریوں کے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ کسی معاہدے کے پابند رہ سکتے ہیں، خود فریبی ہے۔جب تاتاریوں کی افواج شہر میں داخل ہوں گی تو وہ تمھارے ساتھ وہی سلوک کریں گی جو انھوں نے اترار اور تاشقند والوں کے ساتھ کیا ہے۔"

لیکن امام زادہ رکن الدین کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔اکابرین شہر کے وفد نے چنگیز خان سے ملاقات کے بعد اہل شہر کو یہ خوش خبری سنائی کہ تمھاری جانیں، تمھاری جائدادیں اور تمھاری عزت محفوظ ہے۔شہر کا نیا حاکم بھی مسلمان ہو گا۔شہر کے دروازے کھل گئے۔

(۲)

رکن الدین نے درست کہا تھا۔اہل بخارا وحشت اور بربریت کا طوفان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے وہ درس گاہیں جہاں قرآن پڑھا جاتا تھا۔تاتاریوں کے گھوڑوں کے لیے اصطبل کا کام دے رہی تھیں۔چنگیز خان بخارا کی عظیم الشان مسجد

کی سیڑھیوں کے سامنے پہنچ کر گھوڑے سے اترا:

"یہ تمہارے بادشاہ کا گھر ہے؟" اس نے ایک شخص سے سوال کیا۔ "نہیں یہ خدا کا گھر ہے"۔

چنگیز خان مسجد کے اندر داخل ہوا اور اس نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میری افواج تھکی ہوئی ہیں، انھیں خوراک اور آرام کی ضرورت ہے۔ ان کے لیے اپنے گھروں کے دروازے کھول دو اور اس قسم کے کشادہ عمارتیں میرے گھوڑوں کے لیے خالی کر دو اور ان کے لیے چارہ مہیا کرو۔ یاد رکھو، تم خدا کے قہر سے ڈرتے ہو اور میں تمہارے لیے خدا کا قہر بن کر آیا ہوں"۔

چنگیز خان نے ایک مترجم کو اپنا مفہوم بیان کرنے کے لیے کہا اور مسجد سے باہر نکل آیا۔ یہ تمہید تھی۔ اس کے بعد اہل بخارا نے جو کچھ دیکھا، وہ ان کی توقع سے کہیں زیادہ تھا۔ رات کے وقت مردوں کو اپنے گھروں میں گھسنے کی اجازت نہ تھی۔ اور وہ گلیوں، چوراہوں اور سڑکوں پر کھڑے اپنے مکانوں کے اندر تاتاریوں کے وحشیانہ قہقہے اور عورتوں کی جگر دوز چیخیں سن رہے تھے۔ اگر کسی کی غیرت جوش مارتی اور وہ اپنے گھر میں گھسنے کی کوشش کرتا تو تاتاری پہرے داروں کی تلواریں اسے خاک و خون میں لٹا دیتیں۔

امراء کے محلات پر تاتاریوں کا پہرہ اس سے کہیں زیادہ سخت تھا۔ انھیں طرح طرح کی جسمانی اذیتیں دینے کے بعد ان کے خفیہ خزانوں کا پتہ لگایا جاتا اور جب وہ ایک خزانے کا پتہ دیتے، انہیں یہ کہا جاتا کہ تم نے اور بھی بہت کچھ چھپا رکھا ہے۔ وہ سب کچھ دے بیٹھتے لیکن تاتاری مرتے دم تک ان کا پیچھا نہ چھوڑتے۔ بخارا کے باشندوں کے ہاتھ میں بیلچے دے کر امراء کے مکانات کی بنیادیں کھدوائی گئیں اور

جب تاتاریوں کو یقین ہو گیا کہ اب بخارا میں کوئی کارآمد چیز باقی نہیں رہی تو شہر کے تمام باشندوں کو ہانک کر ایک کھلے میدان میں لے آئے۔

اب کسی کو غلط فہمی نہ تھی کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ ہر طرف عورتوں اور بچوں کی جگر دوز چیخیں سنائی دے رہی تھی، مردوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ چیختی چلاتی عورتیں زبردستی کھینچ کھینچ کر مردوں سے علیحدہ کی گئیں۔ بیکس نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ ان کی آزادی چھن چکی تھی اور شہر میں ان کے مکانات میں آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے اور اب ان کی عورتیں بھی ان سے چھینی جا رہی تھیں۔ وہ پردہ نشیں عورتیں جنھیں آج تک چشم فلک نے بھی نہیں دیکھا تھا، تاتاری ان کے بچوں اور ان کے شوہروں کے سامنے ان کی عصمت دری کر رہے تھے۔ مردوں کے سامنے تاتاری سواروں کے نیزوں کی دیوار کھڑی تھی اور ان کے ہتھیار چھینے جا چکے تھے۔

امام زادہ رکن الدین چلایا۔ "بزدلو! کیا دیکھتے ہو! چاروں طرف سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی اور اہل بخارا تاتاریوں پر ٹوٹ پڑے۔ خالی ہاتھوں سے تلواروں کا مقابلہ شروع ہوا۔ لیکن چند لمحات میں کئی آدمی تاتاریوں سے گتھم گتھا ہو کر ان کے نیزے، تلواریں اور خنجر چھین چکے تھے۔ عورتوں کی عصمت دری کرنے والوں میں سے اکثر کو تلواریں سنبھالنے اور گھوڑوں پر سوار ہونے کا موقع نہ ملا۔ لیکن تاتاریوں کی بیشتر فوج گھوڑوں پر چوکس تھی۔ انھوں نے چند حملوں میں لاشوں کے انبار لگا دیئے، تاہم دو ہزار تاتاری مارے گئے۔ تاتاریوں نے غضب ناک ہو کر چند گھنٹوں کے قتل عام کے بعد میدان صاف کر دیا۔ صرف چند عورتیں بچیں۔ ان کے ہاتھوں میں رسیاں باندھ کر گھوڑوں کی زینوں کے ساتھ منسلک کی گیا اور تاتاریوں

نے سمرقند کی طرف کوچ کر دیا۔

گھوڑوں کے ساتھ بندھی عورتیں زیادہ دور تک ان کی تیز رفتاری کا ساتھ نہ دے سکیں۔ جب قیدی عورتیں دم توڑ کر گر پڑتیں، تاتاری سوار خنجر کے ساتھ ان کی رسیاں کاٹ دیتے۔

چنگیز خان کو بخارا کی فتح کی خوشی سے زیادہ اپنے دو ہزار آدمیوں کی موت کا افسوس تھا۔

(۳)

سمرقند دفاعی انتظامات کے لحاظ سے خوارزم شاہ کا مضبوط ترین شہر تھا۔ شہر کی حفاظت کے لیے ایک لاکھ دس ہزار سپاہی موجود تھے لیکن بخارا کی فتح کی غیر متوقع خبر سے سلطان کی رہی سہی خود اعتمادی رہی اور وہ چند سرداروں کو شہر کی قیادت سونپ کر بلخ کی طرف نکل گیا۔ فوج کو جن دو بڑی شخصیتوں سے صحیح رہنمائی کی توقع تھی، وہ سمرقند میں موجود نہ تھیں۔ سلطان کا نوجوان بیٹا جیسے شیر خوارزم کہا جاتا تھا، سلطنت کے شمال مغرب علاقوں میں افواج تیار کر رہا تھا۔ اس نے ایلچی بھیج کر اپنے ضدی باپ سے سمرقند آنے کی اجازت مانگی لیکن سلطان کی طرف سے یہ جواب ملا۔ ”تم مجھ زیادہ تجربہ کار نہیں ہو۔ جب ضرورت ہو گی تمہیں بلا لیا جائے گا۔“

دوسرا تیمور ملک تھا جس نے قوقند کے معرکوں میں سارے ترکستان کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ اس کے متعلق سمرقند کے ہر بچے اور بوڑھے کی رائے یہ تھی۔ کہ وہ ایک لاکھ دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ تاتاریوں کو میدان میں شکست دے سکتا ہے لیکن سلطان نے سمرقند پہنچتے ہی اسے بلخ کے آس پاس جنگجو قبائل کو منظم کرنے کے لیے بھیج دیا تھا۔

جب خوارزم شاہ بھی سمرقند سے نکل گیا تو تمام لشکر میں مایوسی پھیل گئی۔ اتا بک ملک اور سردار ذاتی رقابتوں کے باعث پہلے ہی مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے۔ کوئی با اثر شخصیت سر پر نہ ہونے کی وجہ سے یہ اختلاف اور بڑھ گیا۔

محاصرے کے دوران میں چنگیز خان کے بیٹے جو دریائے سیحوں کے کنارے بہت سے شہر فتح کر چکے تھے۔ قیدیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے ساتھ اپنے باپ سے آملے۔ سمرقند کی فصیل بہت مضبوط تھی۔ بارہ آہنی دروازے جن کی حفاظت کے لیے برجوں پر تیر اندازوں کا پہرہ تھا، ناقابل تسخیر تھے۔

چنگیز خان نے قیدیوں کو فصیل کے اردگرد مورچے کھودنے کے کام پر لگا دیا اور طویل محاصرے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ شہر کی محافظ فوج کو یہ احساس ہونے لگا کہ ایک دو ماہ تک تاتاری آس پاس کے علاقے میں اس قدر مضبوطی سے پاؤں جمالیں گے کہ باہر سے کوئی کمک اہل شہر کی مدد کے لیے بھیجی بھی گئی تو اس کے لیے شہر تک پہنچنا ناممکن ہوگا۔ مورچے تعمیر کرنے کے لیے تاتاری آس پاس کی بستیوں سے قیدیوں کی نئی نئی ٹولیاں لا رہے تھے۔

ان حالات کے پیش نظر فوج کے سرداروں نے شہر سے باہر نکل کر لڑنے کا فیصلہ کیا۔ ترک نہایت بہادری سے لڑے لیکن عین اس وقت جب کہ تاتاریوں کے پاؤں اکھڑ رہے تھے، چند سردار جنھوں نے پہلے ہی چنگیز خان کے ساتھ ساز باز کر رکھی تھی۔ تیس ہزار فوج کے ساتھ اس سے جا ملے۔ فتح کے بعد چنگیز خان نے پہلے دن ان کی آؤ بھگت کی۔ انھیں پہننے کے لیے تاتاری سپاہیوں کا لباس دیا لیکن شہر میں قتل عام سے فارغ ہو کر ان تیس ہزار غداروں کو ان کے سرداروں سمیت رات کے وقت نیند کی حالت میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ چنگیز خان دشمن کے غداروں

سے کام لینے کا قائل تھا۔ لیکن انھیں زندہ رکھنے کا قائل نہ تھا۔

سمرقند کی فتح کے بعد چنگیز خان نے اپنے بہترین سواروں کو خوارزم شاہ کے تعاقب میں بھیج دیا۔ چنگیز خان کا خیال تھا کہ اگر خوارزم شاہ کو مہلت ملی تو وہ چند دنوں میں ایک اور لشکر تیار کر لے گا۔ اس لیے اس نے تعاقب کرنے والی افواج کے سرداروں کو حکم دیا کہ وہ ہر قیمت پر خوارزم شاہ کا سراغ لگائیں اور جس شہر میں وہ موجود ہو، اس کا محاصرہ کر لیں۔ باقی شہروں اور بستیوں سے کترا کر گزرتے جائیں

۔

خوارزم شاہ کو بھی یہ پتہ چل گیا کہ تاتاری اب اس کی سلطنت کے شہروں کو فتح کرنے کا ارادہ ملتوی کر کے اسے پکڑنا چاہتے ہیں۔

خوارزم شاہ مختلف شہروں سے گزرتا ہوا نیشاپور پہنچا۔ تاتاری راستے کے شہروں کو چھوڑتے ہوئے وہاں تک جا پہنچے تو خوارزم شاہ نے ہمدان کا رخ کیا لیکن تاتاری سائے کی طرح اس کے پیچھے تھے۔ ایک مقام پر انھوں نے اسے آلیا اور خوارزم شاہ کے ساتھیوں میں سے چند ساتھیوں میں سے چند ایک کے سوا باقی تمام تہ تیغ کر دیے گئے۔ خوارزم شاہ خود تیروں سے زخمی ہو کر بھاگا۔ اب دنیا میں اس کے لیے سب سے بڑا مسئلہ اپنی جان بچانا تھا۔ اس کے ساتھی اس سے تنگ آ چکے تھے۔

اس نے چاروں طرف سے مایوس ہو کر بحیرۂ خزر سے کنارے ڈیرہ ڈال دیا اور تمام قبائل کے سرداروں کی طرف ہرکارے دوڑا دیئے لیکن اس کی مدد کے لیے کوئی نہ پہنچا۔

(۴)

خوارزم شاہ کو اب دنیا میں کسی پر اعتماد نہ تھا۔ تاتاریوں کی طرح اسے اپنے سپاہیوں سے بھی ہر وقت اپنی جان کا خطرہ رہتا تھا۔ وہ اپنے لیے کئی خیمے نصب کرواتا لیکن ایک دو غلام کے سوا کسی کو یہ خبر نہ ہوتی کہ وہ آج رات کہاں سویا ہے۔ ایک رات وہ اپنے کشادہ خیمے سے نکل کر ایک چھوٹے سے خیمے میں جا کر سو گیا۔ صبح کے وقت دوسرا خیمہ تیروں سے چھلنی تھا۔

ایک شام وہ سمندر کے کنارے کھڑا تھا کہ اسے فاصلے پر گرد اڑتی ہوئی دکھائی دی۔ اسے شک گزرا کہ تاتاری آرہے ہیں لیکن ایک سپاہی نے آ کر خبر دی کہ یہ مسلمانوں کی فوج ہے۔ لشکر قریب آ کر رک گیا۔ وہ صرف پانچ ہزار سپاہی تھے۔ خوارزم شاہ کو مایوسی ہوئی۔ ایک سوار آگے بڑھا اور خوارزم شاہ کو دور سے پہچان کر گھوڑا بھگاتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

یہ جلال الدین تھا۔

ایک لمحے کے لیے باپ اور بیٹا ایک دوسرے کی طرف دیکھتے، خوارزم شاہ نے کہا۔ جلال! گھوڑے سے نہیں اترو گے؟

"نہیں، مجھے بہت دور جانا ہے۔ میں صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے؟"

تو تم میری مدد کے لیے نہیں آئے؟

اس ویران جگہ پر آپ کو کیا خطرہ ہے۔ میں موت کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ موت سے بھاگنے والوں کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟

خوارزم شاہ نے آگے بڑھ کر جلال الدین کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے

کہا۔نہیں نہیں نہیں، میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔زمین میرے لیے تنگ ہو چکی ہے۔تم میرا آخری سہارا ہو۔چلو میں تمہیں اپنا خیمہ دکھاتا ہوں، وہ تیروں سے پٹا پڑا ہے۔آج ساری دنیا میری دشمن ہے۔کیا میرا بیٹا بھی میرا ساتھ نہیں دے گا؟

جلال الدین نے جواب دیا۔"کاش آپ نے دنیا کے ساتھ کوئی بھلائی کی ہوتی۔آپ کی وجہ سے ملک کو ایک وحشی اور حقیر دشمن کی غلامی نصیب ہوئی۔آپ نے صرف اپنی جان کے خوف سے سارا ملک بھیڑیوں کے سپرد کر دیا۔قوم آپ کی غلطیوں کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔مسلمان آپ کی وجہ سے تاتاریوں کے ہاتھوں اپنی بہو بیٹیوں کی بے حرمتی دیکھ رہے ہیں۔آپ آج انھیں یہ پیغام بھیجتے ہیں کہ وہ آکر آپ کے خیمے پر پہرہ دیں، لیکن کس منہ سے؟"

"جلال! جلال!! میں تمہارا باپ ہوں!"

"کاش! میں آپ کے گھر پیدا ہونے کی بجائے ایک غریب لیکن بہادر آدمی کے گھر پیدا ہوتا!"

"جلال! میرا دل نہ دکھاؤ"

"کاش! آپ کے پہلو میں دل ہوتا لیکن قدرت نے وہاں گوشت کا ایک بے جان لوتھڑا رکھ دیا ہے۔"

"آخر ان باتوں سے تمہارا مطلب کیا ہے؟"

"کچھ نہیں، آپ کے ساتھ میری آخری ملاقات ہے اور میں آپ کے پاس یہ درخواست لے کر آیا ہوں کہ خزانہ میرے حوالے کر دیجئے۔میں چاہتا ہوں کہ بخارا اور سمرقند کے خزانوں کی طرح وہ بھی تاتاریوں کے قبضے میں نہ آجائے۔مجھے تازہ افواج تیار کرنے کے لیے ایک ایک کوڑی کی ضرورت ہے۔"

تو تمہارا خیال ہے کہ تم تاتاریوں کے ساتھ لڑ سکتے ہو؟

''میرا شروع سے یہ خیال تھا لیکن آپ نے میرا راستہ روکے رکھا!''

''جلال! تاتاریوں کے ساتھ لڑنے کا خیال ایک جنون ہے اور میں اس مصیبت میں اپنی رہی سہی پونجی سے محروم نہیں ہونا چاہتا۔ خدا کے لیے میرا ساتھ دو۔ مجھے اپنی جان سے زیادہ تمہاری جان عزیز ہے۔ اس آسمان کے نیچے ایسی جگہیں ہیں جہاں ہم آرام سے باقی زندگی گزار سکتے ہیں۔ ہم مصر چلے جائیں گے۔ اندلس چلے جائیں گے۔''

''میں بزدلوں کی زندگی بسر کرنے والوں کا ساتھ دینے کی بجائے بہادروں کی موت مرنے والوں کا ساتھ دوں گا۔ وہ قوم جو آپ کے تخت و تاج کے لیے خون بہاتی رہی، آج اسے میرے خون اور پسینے کی ضرورت ہے۔ میں اسے پیٹھ نہیں دکھا سکتا۔''

''ایسے موقعوں پر ایک سپاہی فتح اور شکست سے بے نیاز ہو کر میدان میں کودنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ میں اپنا فرض پورا کروں گا۔ فتح اور شکست خدا کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن جیتے جی شکست کا اعتراف ایک مسلمان کے شایان شان نہیں۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اگر میں ان پانچ ہزار سپاہیوں کو بہادروں کی موت مرنا سکھا دوں تو ساری قوم جی اٹھے گی۔ آپ مصر جائیے۔ مجھے اس خزانے کی ضرورت نہیں، میں پیٹ پر پتھر باندھ کر اور جسم پر چیتھڑے اوڑھ کر لڑوں گا اور مجھے یقین ہے کہ قوم میرا ساتھ دے گی؟''

جلال الدین نے باگ کھینچ کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

''جلال ٹھہرو! مجھے یہاں چھوڑ کر نہ جاؤ۔ یہاں میرا کوئی نہیں، مجھے اپنے

ساتھ لے چلو۔"

جلال الدین نے گھوڑا روکتے ہوئے کہا۔"چلئے"

"لیکن کہاں؟"

"موت کے پیچھے۔آزادی کی تلاش میں!"

"نہیں نہیں بیٹا! میرا کہا مانو۔ہم تاتاریوں سے نہیں لڑ سکتے!"

"خدا اور رسولؐ کے احکام سے زیادہ میرے لیے آپ کا حکم مقدم نہیں۔ ہماری منزل اور راستے مختلف ہیں۔خدا حافظ!"

چند دن کے بعد خوارزم شاہ کو کسی نے تاتاریوں کی آمد کی خبر دی اور وہ اپنے چند رفیقوں سمیت بحیرۂ خزر کے ایک جزیرے میں پناہ گزیں ہو گیا اور وہیں گمنامی کی موت مر گیا۔

(۵)

تاتاریوں کا سیل ہمہ گیر ترکستان،خراسان اور ایران کے وسیع میدانوں کا رخ کر رہا تھا۔آگ اور خون کے اس طوفان کے سامنے پہاڑ، دریا اور قلعے کوئی شے نہ تھے۔شمال اور مغرب میں تاتاریوں کے سیلاب کی لہریں سلطنت خوارزم کی حدود سے آگے گزر کر دریائے ڈنیپر کے کناروں کو چھو رہی تھیں۔چنگیز خان کا ایک بیٹا روس میں ماسکو کے دروازے پر دستک دے رہا تھا اور دوسرا مشرقی یورپ کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کو تاخت و تاراج کر رہا تھا۔لیکن خوارزم کی وسیع سلطنت میں ابھی تک ایک ناقابل تسخیر چٹان موجود تھی۔سیلاب کی تند و تیز لہریں کئی بار اس کے اوپر سے گزر گئیں۔لیکن اسے متزلزل نہ کر سکیں۔خوارزم کی خاکستر میں ابھی تک آگ کی ایک چنگاری سلگ رہی تھی اور چنگیز خان یہ خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ اگر اس

چنگاری کو ختم نہ کیا گیا تو راکھ کا یہ انبار کسی دن ایک آتش فشاں پہاڑ بن جائے گا۔ یہ آہنی چٹان اور یہ نہ بجھنے والی چنگاری جلال الدین تھا۔ ایک بزدل باپ کا بہادر بیٹا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو جیتے جی ہار ماننا نہیں جانتے۔ جو فتح اور شکست سے بے نیاز ہو کر لڑتے ہیں۔ طوفان میں کودتے ہوئے سمندر کی گہرائی کی پروا نہیں کرتے۔

جلال الدین نے جانبازوں کی ایک مٹھی بھر جماعت کے ساتھ کئی میدانوں میں تاتاریوں کا مقابلہ کیا۔ وہ ایک جگہ سے شکست کھا کر نکلتا اور دوسرے دن یہ سنا جاتا کہ وہ تیس یا چالیس کوس دور اپنی سلطنت کے کسی کھوئے شہر کو واپس لے چکا ہے۔ کبھی اس کے ساتھ پانچ ہزار سپاہی ہوتے کبھی پانچ سو اور کبھی پانچ سے بھی کم لیکن وہ لڑتا رہا۔ وہ بھوکے شیر کی طرح عقب سے حملہ کرتا، عقاب کی طرح ہر وال پر جھپٹتا اور تاتاریوں کے دیکھتے دیکھتے کسی پہاڑ یا جنگل میں روپوش ہو جاتا۔

رات کے وقت اس کے سوار تاتاریوں کی چھاؤنیوں پہ حملہ کرتے، اور آن کی آن میں جلتی ہوئی مشعلوں سے سینکڑوں خیموں کو آگ لگا جاتے۔ وہ تاتاریوں کی ٹڈی دل افواج سے مرعوب نہ ہوا۔ مفتوحہ شہروں اور بستیوں پر تاتاریوں کے مظالم کی داستانیں اس کا حوصلہ پست نہ کر سکیں۔

بخارا، سمرقند اور دوسرے شہروں پر تاتاریوں کے مظالم کی داستانیں سن کر جنوب کے شہروں کی بیشتر آبادی ہمسایہ ممالک کی طرف ہجرت کر چکی تھی۔ عراق، شام، افغانستان اور مصر کی طرف جانے والے راستوں پر لاکھوں پناہ گزین بچوں مردوں اور عورتوں کے قافلے بھوک سے مر رہے تھے۔ صاحب حیثیت لوگ محمد شاہ کی پہلی شکست کی خبر پاتے ہی دوسرے ممالک میں ہجرت کر چکے تھے۔

لیکن چند اور شہر فتح ہونے کے بعد جب سب کو یقین ہو گیا کہ تاتاری کسی

اہم فیصلے

طاہر کو قید ہوئے دس مہینے گزر چکے تھے۔ ابتدائی چند ہفتے عوام بہت مشتعل رہے لیکن آہستہ آہستہ ان کا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا اور مظاہرے بند ہو گئے۔ حکومت نے عوام کی طرف سے مطمئن ہو کر عبدالعزیز، عبدالملک اور ان کے ساتھیوں کے متعلق حکومت کے خلاف نفرت پھیلانے کے جرم میں گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے لیکن سنجیدہ اور با اثر لوگوں کا ایک طبقہ ان کا حامی تھا اور حکومت کو انھیں پر امن طریقے سے گرفتار کرنے کا موقع نہ ملا۔

بخارا، سمرقند، طوس، ترمز اور رے کے متعلق الم ناک خبریں سن کر اہل بغداد نے پھر کروٹ لی اور طاہر کے حامیوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ پناہ گزینوں کا ایک قافلہ بغداد پہنچا اور ان کی زبانی تاتاریوں کے روح فرسا مظالم کی داستانیں سننے کے بعد بغداد کی ہر محفل میں خلیفہ اور امرائے سلطنت کی بے حسی پر نکتہ چینی میں اضافہ ہونے لگا۔ تاتاریوں کے ایران میں داخل ہونے کی خبر سن کر ان کی بے چینی خوف و ہراس میں تبدیل ہو گئی اور لوگ کھلے بندوں وزیر اعظم، خلیفہ اور دوسرے امراء کے خلاف غم و غصے کا اظہار کرنے لگے۔

ایک رات شہر کی ہر مسجد کے دروازے پر اس مضمون کے اشتہار چسپاں تھے:

> "غفلت کی نیند سونے والو! جاگو! ہلاکت اور بربادی کا طوفان بغداد کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے۔ جن لوگوں کو تم اپنا محافظ سمجھتے ہو، وہ تاتاریوں کے ساتھ تمہاری عزت اور آزادی کا سودا کر چکے ہیں۔ کیا اب تک حکومت کی غیر جانبداری یہ ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں کہ طاہر بن یوسف نے خلیفہ اور

چنگیز خان کے درمیان جس خفیہ سمجھوتے کا انکشاف کیا تھا وہ ہو چکا ہے۔ اگر طاہر کا الزام غلط تھا تو حکومت اس پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلانے کی جرأت کیوں نہ کرتی؟ اگر خلیفہ کو علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ سے دشمنی تھی تو وہ چل بسا۔ اب ترکستان، خراسان اور ایران میں تاتاریوں کے ناقابل بیان مظالم کی اطلاعات سن کر بھی خلیفہ دشمنان اسلام کے خلاف اعلان جہاد کیوں نہیں کرتا؟

بغداد کے لوگو! تمہارے غدار تمہیں اس دشمن کے ہاتھ میں فروخت کر رہے ہیں جو کسی پر رحم کرنا نہیں جانتا اب وقت آ گیا ہے کہ تم اپنے لیے ایک فیصلہ کرو۔ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد ایک پیغام سنایا جائے گا!''

جمعہ کے دن مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی اور پیغام سنانے والا عبدالملک تھا۔ سامعین یہ محسوس کر رہے تھے کہ طاہر بن یوسف کی روح قید خانے سے نکل کر اس کے وجود میں آ گئی ہے۔ اس کی تقریر کا سب سے پہلا اثر یہ تھا کہ جن قاضیوں نے طاہر بن یوسف کے خلاف باغی ہونے کا فتویٰ دیا تھا، ان کے مکانات کو آگ لگا دی گئی۔ شام کے وقت مشتعل ہجوم وزیراعظم کے محل کے دروازے کے سامنے نعرے لگا رہا تھا۔

(۲)

اکابرین سلطنت ایک وسیع کمرے میں خلیفہ کی مسند کے سامنے کرسیوں پر رونق افروز تھے۔ نقیب نے خلیفہ کی آمد کا اعلان کیا اور امراء اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

ایک سپاہی نے مسند کے پیچھے دروازے کا پردہ ہٹایا اور خلیفہ چار حبشی غلاموں کی ننگی تلواروں کے سائے میں مسند پر نمودار ہوا۔ نقیب کے دوسرے اعلان پر امراء اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

خلیفہ کے حکم پر ناظم شہر نے اٹھ کر شہر کی تازہ صورت حالات کے متعلق اپنی رپورٹ پیش کی اور اکثر امراء نے یکے بعد دیگرے اس پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ وہ تمام اس بات پر متفق تھے کہ طاہر کی گرفتاری کے بعد عوام بے حد مشتعل ہو چکے ہیں۔ شہر کے سب سے بڑے قاضی کا مکان صرف اس لیے جلایا گیا ہے کہ انھوں نے اس کے خلاف بغاوت کا فتویٰ دیا تھا اور جن علماء نے اس کے بے دین ہونے کا اعلان کیا تھا، مشتعل ہجوم ان گھروں پر ہر روز پتھر پھینکتا ہے۔ شہر کی مساجد پر گمراہ قسم کے نوجوان قابض ہو رہے ہیں اور سلطنت کے ایک ایک عہدے دار کو برسرِ منبر کوسا جا رہا ہے۔ شہر کے کوتوال نے بتایا کہ عبدالعزیز اور عبدالملک کی کوششوں سے فوج کے کئی سپاہی اور افسر درپردہ ان باغیانہ سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ خلیفہ نے یہ تمام واقعات سننے کے بعد بے قراری سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ ”باغیوں کی سرگرمیوں کے متعلق ہم بہت کچھ سن چکے ہیں۔ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ تم لوگوں نے اب تک کیا کیا ہے کتنے آدمی گرفتار کیے؟“

کوتوال اور ناظم شہر اس سوال پر وزیر اعظم کی طرف دیکھنے لگے۔ وزیر اعظم نے اٹھ کر کہا۔ ”امیر المومنین کی اجازت سے میں اس سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں“۔

خلیفہ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور وزیر اعظم نے کہا۔ ”لوگ اس بات سے زیادہ بدظن ہوئے ہیں کہ ہم نے طاہر پر مقدمہ چلائے بغیر اسے قید میں ڈال دیا ہے

۔اس نے اپنی تقریروں میں حکومت پر سخت الزامات لگائے تھے۔اگر اسے عدالت میں لایا جائے تو مجھے یقین ہے کہ وہ کسی الزام کا ثبوت نہیں دے سکے گا اور رائے عامہ جو آج ہمارے خلاف ہے کل اس سے کہیں زیادہ اس کے خلاف ہو جائے گی۔ ہم اگر آج اندھا دھند گرفتاریاں شروع کر دیں تو بغداد کے قید خانے بھر جائیں گے لیکن باغیوں کی تعداد میں کمی نہ ہو گی۔

اس کے علاوہ ترکستان کے مفتوحہ علاقوں پر تاتاریوں کے مظالم کی داستانیں کسی سے پوشیدہ نہیں۔جب اسلامی ممالک کے باشندوں کو پتہ چلے گا کہ بغداد کے عوام حکومت کو تاتاریوں کے ساتھ سازباز کرنے کا مجرم گردانتے ہیں اور حکومت کھلی عدالت میں نیک نیتی کا ثبوت دینے کی بجائے لوگوں پر سختی کر کے ان کی آواز دبانا چاہتی ہے تو وہ یہ سوچنے میں حق بجانب ہوں گے کہ حکومت واقعی مجرم ہے۔طاہر نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا تھا کہ اس کے ساتھ جو نوکر یہاں سے روانہ ہوئے تھے، ان کے منڈے ہوئے سروں پر سابق وزیر خارجہ اور حضرت امیر المومنین مدظلہ العالی کے دستخطوں سے ایسی تحری لکھی ہوئی تھی جس میں تاتاریوں کو خوارزم پر حملہ کرنے کی ترغیب دی گئی تھی لیکن ہم آسانی سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ ایک افسانہ ہے۔وحید الدین اپنی پہلی سازق کے انکشاف کے بعد اچانک روپوش ہو گیا تھا اور آج تک اس کا پتہ نہیں اور طاہر یہاں سے وحید الدین کے روپوش ہو جانے سے ایک ڈیڑھ ماہ بعد قراقرم کی طرف روانہ ہوا تھا، اس لیے وہ یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ اس کے ساتھی وحید الدین سے کوئی تحریر یا ہدایت لے کر گئے تھے۔

اس کے علاوہ اس کے بیان کے مطابق وہ تینوں آدمی مارے جا چکے ہیں اور

ان کے سر خوارزم شاہ کے پاس بھیجے گئے تھے اس لیے وہ اس تحریر کے متعلق بھی کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ اسے قاضی کے سامنے لایا جائے تو بغداد کا احمق ترین آدمی بھی اسے جھوٹا خیال کرے گا۔ اس کے برعکس اس پر مقدمہ چلائے بغیر اسے قید میں رکھنے یا کوئی اور سزا دینے سے بغداد کے لوگوں کی بے چینی بڑھتی جائے گی"۔

امرائے سلطنت کی اکثریت نے وزیر اعظم کی تجویز کی حمایت کی۔ خلیفہ نے مہلب بن داؤد کی طرف دیکھا اور اس نے اٹھ کر نہایت فصیح انداز میں تقریر شروع کی:

"ہم طاہر کو ایک معمولی عقل کا آدمی سمجھنے میں غلطی کر رہے ہیں۔ میرے خیال میں ہو بغداد کی فضا مکدر کرنے کے لیے حکومت خوارزم کی ہدایات پر عمل کر رہا ہے۔ اس کی دولت کے قصے پہلے بھی مشہور تھے اور اب وہ اس مہم کے لیے یقیناً اپنے ساتھ بہت کچھ لے کر آیا ہوگا۔ وہ نوکر جو اس کے ساتھ گئے تھے، نہایت معمولی حیثیت کے لوگ تھے۔ ممکن ہے کہ دولت کے لالچ سے وہ اس کے مقاصد کا آلہ کار بننے کے لیے تیار ہو گئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ زندہ ہوں اور طاہر نے انھیں بغداد کے کسی گوشے میں چھپا رکھا ہو اور ان کی موت کا قصہ اس لیے مشہور کیا ہو کہ ہم ان کی جستجو نہ کریں۔ آپ صرف اس بھروسے پر اسے عدالت میں اپنے الزامات ثابت کرنے کا موقع دینا چاہتے ہیں۔ کہ اس کے حق میں گواہی دینے والا کوئی نہیں لیکن اگر اچانک وہ تین آدمی کسی گوشے سے نکل کر عدالت میں آ جائیں تو عوام کو آپ یہ نہیں سمجھا سکیں گے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ وحید الدین محض اس سازش کو چھپانے کے لیے روپوش ہو گیا ہو، اسی نے ان تینوں

آدمیوں کے سروں پر کچھ لکھا ہو اور اسی نے خلیفہ کے جعلی دستخط کیے ہوں۔ کسی کے لیے سابق وزیر خارجہ کے ہاتھ کی تحریر پہچاننا مشکل نہ ہوگا۔ طاہر نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ قراقرم میں ان کے سر مونڈ کر یہ تحریریں پڑھی گئیں۔ اس لیے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں بغداد سے طاہر کے ساتھ بھیجنے سے کچھ عرصہ پہلے ہی تیار کر لیا گیا تھا۔"

وحید الدین ایک عام آدمی نہ تھا۔ وہ حکومت کا ایک اہم رکن تھا۔ اگر عدالت میں اس کی سازش ثابت ہوگئی تو عوام ہم سب کو مجرم گردانیں گے۔ اس لیے میں اسے عدالت میں لانا خطرے سے خالی نہیں سمجھتا۔ تاہم میں وزیر اعظم کی اس رائے کے حق میں ہوں کہ سر دست کسی سخت اقدام سے عوام کو مشتعل کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ اگر ہم تدبر سے کام لیں تو یہ تمام مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔ حضرت امیر المومنین مدظلہ، اور قابل احترام وزیر اعظم مجھے اجازت دیں تو میں تخلیے میں ایک تجویز پیش کروں گا۔

خلیفہ نے عصر کے وقت وزیر اعظم اور مہلب کو حاضر ہونے کا حکم دے کر مجلس برخاست کی۔

عصر کے وقت جب وزیر اعظم خلیفہ کے محل کے دروازے پر پہنچا تو شہر کا ناظم اور مہلب باہر نکل رہے تھے۔ وزیر اعظم کے استفسار پر مہلب نے بتایا کہ مجھے خلیفہ نے وقت سے پہلے ہی بلا لیا تھا اور میں اپنی تجویز پیش کر چکا ہوں۔ خلیفہ میرے ساتھ متفق ہیں اور اب میں آپ کی طرف آ رہا تھا۔ میں نے خلیفہ کو یہ مشورہ دیا ہے کہ طاہر کو قید سے فرار ہونے کا موقع دیا جائے۔ تاتاریوں کی افواج مرو پر حملہ کر چکی ہیں وہ اور اس کے تمام سر پھرے ساتھی موقع ملتے ہی اس طرف بھاگ جائیں

گے ۔اس کے بعد لوگ خود بخو دٹھنڈے ہو جائیں گے ۔اس کی گرفتاری کے فوراً بعد سرکاری جاسوسوں نے بتا دیا تھا کہ اگر اسے گرفتار نہ کیا جاتا تو وہ ایک دن یا دو دن کے اندر بغداد چھوڑنے والا تھا۔اب ہم اسے رہائی کا موقع دیتے ہی شہر میں منادی کرادیں گے کہ اسے پکڑنے والے کو ایک بہت بڑی رقم انعام دی جائے گی اور اس کے چلے جانے کے ایک یا دو دن بعد ہم یہ مشہور کردیں گے کہ وہ خوارزم شاہ کے ایما پر بغداد میں فتنہ پیدا کرنے کے لیے آیا تھا۔"

وزیر اعظم نے کہا۔"آپ نے ہمیں یہ راستا بتا کر ملک کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔میں ابھی داروغہ کو حکم بھیجتا ہوں کہ اسے قید خانے سے بھگا دے۔"

مہلب نے کہا۔"یہ کام میرے سپرد کیجئے۔میں کل ناظم شہر کے ساتھ خود داروغہ کے پاس جاؤں گا اور اسے سمجھادوں گا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔"

وزیر اعظم نے کہا۔"آپ نے مجھے بہت بڑی ذہنی کوفت سے نجات دلائی، میں آپ کا شکر گزار ہوں"۔

مہلب نے جواب دیا۔"یہ میرا فرض تھا"۔

لوگ بہت زیادہ مشتعل ہو رہے ہیں ۔میرے خیال میں اسے جلدی قید خانے سے نکال دینا چاہیے۔

"آپ مطمئن رہیں، وہ کل تک آزاد ہو جائے گا"۔

(۳)

صفیہ دریا کے کنارے بالائی منزل کی چھت پر کھڑی تھی ۔شام ہونے کو تھی۔ مغربی افق پر آفتاب کو اپنی آغوش میں لینے والے بادلوں کا رنگ سرخ ہو رہا تھا۔ پرندے آسمان کی مشعل کو روپوش ہوتے دیکھ کر اپنے اپنے گھونسلوں میں پناہ لے

رہے تھے۔ فضا کے دھند لکے کے ساتھ چاند کا زردی مائل چہرہ روشن ہونے لگا۔ ستارے آسمان کے آنچل سے جھانکنے لگے اور مغموم کائنات مسکرا اٹھی۔ فضا میں خنکی بڑھ رہی تھی۔ دن بھر کے تھکے ہوئے ماہی گیر اپنی کشتیاں دوسرے کنارے پر لگا رہے تھے۔ پانی کی سطح سے کبھی کبھی کوئی بے قرار مچھلی ایک دو بالشت اچھلتی پھر روپوش ہو جاتی۔

صفیہ نیچے اترنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اسے کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ اسے مڑ کر دیکھا اور بے پروائی سے منہ پھیر لیا۔ یہ قاسم تھا۔

اس نے کہا "صفیہ سردی لگ جائے گی۔ چلو نیچے!"

صفیہ نے کوئی جواب نہ دیا اور آگے بڑھ کر پھر دریا کی طرف دیکھنے لگی۔

"صفیہ! خدا کے لیے بولو۔ مجھے جی بھر کر کوسو۔ میرے لیے تمہاری یہ خاموشی ناقابل برداشت ہے۔ اگر مجھے معلوم ہو کہ اس دریا کا رخ بدل دینے سے تمہاری کھوئی ہوئی مسکراہٹ واپس لا سکتا ہوں تو خدا کی قسم میں اس کے لیے بھی تیار ہو جاؤں گا!"

وہ چلائی۔ "تم جھوٹے ہو۔ تم مکار ہو۔ خدا کے لیے جاؤ مجھے پریشان نہ کرو!"

"بس میں یہی سننے کے لیے آیا تھا۔" اس نے اپنی خفت کو چھپاتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی۔

صفیہ نے اور زیادہ تلخ ہو کر کہا۔ "تم ظالم ہو، تم کمینے ہو، تم قوم کے غدار ہو۔ جاؤ ورنہ میں اس چھت سے چھلانگ دوں گی!"

قاسم نے آگے بڑھ ک اس کا بازو پکڑ لیا۔ صفیہ! واقعی تمہیں مجھ سے اتنی نفرت ہے؟

میں تمہیں نفرت کے قابل بھی نہیں سمجھتی۔اس نے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

یہ سب کچھ طاہر کی وجہ سے ہے۔وہ بے وقوف بدو! قاسم غصے سے دانت پیش رہا تھا۔

"میں تمہیں ہمیشہ قابل نفرت سمجھتی تھی۔"

"تم جھوٹ کہتی ہو۔تم نے آج جو کچھ ابا، امی اور سکینہ سے کہا ہے، میں سن چکا ہوں۔مجھ سے نفرت کی وجہ یہ ہے کہ تم اس جاہل سے محبت کرتی ہو لیکن تمہیں اپنا فیصلہ بدلنا پڑے گا۔تم میرے پاؤں پر سر رکھنے پر مجبور ہو جاؤ گی!"

صفیہ نے قاسم کی طرف حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔میں مر جانا بہتر سمجھوں گی اور میں یہ کہتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتی کہ مجھے اس سے محبت ہے۔میں نے جو کچھ چچا، چچی اور سکینہ سے کہا ہے، تمام دینا کے سامنے کہوں گی۔تم زیادہ سے زیادہ موت کی سزا دے سکتے ہو لیکن مجھے اس محل سے زیادہ اس کی قبر کی مٹی عزیز ہو گی۔تم مجھ سے سب کچھ چھین سکتے ہو لیکن اس کی محبت نہیں چھین سکتے۔

"تمہیں اس کی قبر کی مٹی عزیز ہو گی لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اسے قبر کی مٹی بھی نصیب نہیں ہو گی۔"

"مجھے اس کی پرواہ نہیں۔میں اسے ہر جگہ دیکھ سکوں گی۔دریا کی ان لہروں میں چاند کی روشنی میں، ستاروں کی جگمگاہٹ میں، وہ ہر وقت میرے پاس ہو گا۔

میں پھولوں میں اس کی مسکراہٹ دیکھوں گی، ہواؤں کی سرسراہٹ میں اس کی آواز سنوں گی۔تم اسے مجھ سے چھین سکتے ہو۔جدا نہیں کر سکتے۔

تو اس کا مطلب ہے کہ تمہاری محبت کو اس بات کی پروا نہیں کہ وہ زندہ رہے یا

مر جائے۔ تمہیں اس کی زندگی کے بلند مقاصد سے کوئی دلچسپی نہیں؟

تم ان بلند مقاصد کے متعلق کیا جانتے ہو۔ ایک گندی نالی میں پلنے والا کیڑا آسمان کی بلندیوں سے باتیں کرنے والے عقاب کے خیالات کیسے سمجھ سکتا ہے؟

تو کیا تم یہ پسند کرو گی کہ تمہارے عقاب کے پر صرف تمہاری وجہ سے کاٹ ڈالے جائیں؟ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ وہ اپنے مقاصد کے لیے زندہ رہے تو تم اسے موت کے منہ سے بچا سکتی ہو لیکن تمہیں ایک چھوٹی سے قربانی دینا پڑے گی۔

میں اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی ہوں۔

لیکن یہ اچھی طرح سوچ لو۔ تمہیں صرف اس کی ذات سے محبت ہے۔ اس کے مقاصد کے لیے قربانی دینا تمہارے لیے آسان نہ ہو گا۔ تمہیں اپنی محبت قربان کرنا پڑے گی۔ بتاؤ تم اس کے لیے تیار ہو؟ بولو! خاموش کیوں ہو گئیں ۔۔۔۔۔۔ میں آج تمہارا امتحان لینے کے لیے آیا ہوں۔ کان کھول کر سنو۔ اسے قتل کر دینے کا فیصلہ ہو چکا ہے لیکن تمہارا ایک وعدہ اس کی جان بچا سکتا ہے۔ میں اسے قید خانے سے فرار ہونے کا موقع دے سکتا ہوں۔ وہ ترکستان یا کسی اور ملک میں جا کر اپنے بلند مقاصد کے لیے زندہ رہ سکتا ہے۔

صفیہ نے قدرے نرم ہو کر سوال کیا۔ اور اس کے عوض مجھ سے کیا وعدہ لینا چاہتے ہو؟

یہ کہ تم میرے ساتھ شادی کر لو گی؟

دونوں کچھ دیر ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ صفیہ کے کانوں میں طاہر کے یہ الفاظ گونج رہے تھے۔ آپ ایک عالی شان محل میں رہ کر بھی اپنا دم گھٹتا محسوس کرتی ہیں لیکن ترکستان میں آپ کی ہزاروں ایسی بہنیں جنہیں اس آسمان کے نیچے سر

چھپانے کی جگہ نہیں ملتی ۔اس وقت میری توجہ کی حق دار وہ ہیں ۔اسلام کی وہ بدنصیب بیٹیاں اپنی عراق، عرب اور مصر کے پُر امن شہروں میں رہنے والی بہنوں سے پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہیں کہ اگر تمہارے بھائی، شوہر اور عزیز ہماری مدد کو پہنچ سکتے ہیں تو خدا کے لیے ان کا راستہ نہ روکو!

دریا میں بہتے ہوئے اس انسان کی طرح جس کے ہاتھ میں کنارے پر اُگی ہوئی گھاس کے چند تنکے آ گئے ہوں۔صفیہ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔۔۔۔ میں وعدہ کرتی ہوں ۔لیکن مجھے تمہاری باتوں پر یقین نہیں آتا ۔اُسے قید سے چُھڑانا تمہارے بس میں نہیں۔

قاسم نے پُر امید ہو کر کہا۔تم اطمینان رکھو۔وہ بہت جلد آزاد ہو جائے گا۔

صفیہ نے سراپا التجا بن کر کہا۔قاسم میرے ساتھ دھوکا نہ کرنا۔عالمِ اسلام کو اس کی ضرورت ہے۔اگر تم مجھے معاف نہیں کر سکتے تو اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ ڈالو۔میرا ہونا ایک جیسا ہے لیکن اس کی موت شاید لاکھوں انسانوں کی موت ہو۔

قاسم نے جواب دیا۔تم عنقریب سنو گی کہ وہ خوارزم پہنچ چکا ہے۔چلو نیچے چلیں۔

صفیہ اس کے ساتھ چل دی۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو سکینہ نے کہا۔تم کہاں غائب ہو گئی تھیں۔کھانا ٹھنڈا ہو گیا۔

وہ جواب دیے بغیر اپنے بستر پر لیٹ گئی اور تکیے میں منہ چھپا کر ہچکیاں لینے لگی۔سکینہ نے اسے اٹھا کر اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔صفیہ ۔صفیہ!! تمہیں کیا ہو گیا۔بتاؤ۔خدا کے لیے بتاؤ! لیکن صفیہ نے اس کا ہاتھ جھٹکتے

ہوئے کہا۔سکینہ جاؤ! مجھے تنہا رہنے دو۔

(۴)

شام کے وقت قید خانے کی چار دیواری کے اندر داروغہ کے مکان کے ایک کمرے میں مہلب، ناظم شہر اور دوراغہ بیٹھے ہوئے تھے۔ناظم شہر نے مہلب سے سوال کیا۔فرض کیجئے۔اگر آج اس نے کھانا نہ کھایا تو؟

تو کل ضرور کھائے گا۔

داروغہ نے کہا۔میری نظر میں تو وحیدالدین بھی کم خطرناک نہیں۔مجھے ڈر ہے کہ وہ کسی وقت ہماری گردن پر تلوار ثابت نہ ہوگا اس لیے بہتر یہ ہوگا کہ اسے بھی قید خانے کی زندگی سے آزاد کیا جائے۔

مہلب نے جواب دیا۔اس کے متعلق بعد میں دیکھا جائے گا۔

ایک سپاہی نے اندر آ کر اطلاع دی کہ قاسم آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

مہلب نے حیران ہو کر سوال کیا۔قاسم؟ بلاؤ اُسے!

قاسم نے آتے ہی شکایت کی کہ وہ اسے دیر سے ڈھونڈ رہا ہے۔

مہلب نے سوال کیا۔تمہیں میرے یہاں آنے کی کس نے خبر دی؟ مجھے آپ کی قیام گاہ سے پتہ چلا کہ آپ ناظم کے ساتھ گئے ہیں۔ناظم کے گھر سے اس جگہ کا پتہ ملا۔میں آپ سے تنہائی میں دو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

مہلب نے ناظم اور دوراغہ کو اشارہ کیا اور وہ اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔قاسم کرسی پر بیٹھ گیا۔

ملب نے سوال کیا۔آپ پریشان معلوم ہوتے ہیں۔کہیے خیریت تو ہے؟

میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔

پوچھیے!

مجھے ابا جان سے معلوم ہوا کہ آپ طاہر کو فرار ہونے کا موقع دینا چاہتے ہیں۔

یہ دُرست ہے لیکن یہ بات آپ کسی کو نہ بتایئے۔

میں بحیثیت ایک دوست کے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا واقعی یہ درست ہے؟

یہ بالکل دُرست ہے لیکن اگر آپ کو یہ بات پسند نہ ہو تو فیصلہ تبدیل کیا جا سکتا ہے!

"نہیں نہیں۔ قاسم نے جواب دیا۔ بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ یہ فیصلہ تبدیل نہ کریں۔

مہلب نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔ آپ اپنے ضمیر پر کوئی بوجھ محسوس کر رہے ہیں؟

قاسم نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ میرے پاس بوجھ محسوس کرنے والا ضمیر نہیں۔

میں ایسے ضمیر کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن یہ تو بتایئے کہ آپ ایسے خطرناک آدمی کو آزاد کیوں کرانا چاہتے ہیں؟ وہ آزاد ہو کر بھی میرا اور آپ کا دُشمن رہے گا۔

تو اس کا مطلب ہے کہ آپ اُسے ۔۔۔۔۔۔؟

آپ گھبرایئے نہیں۔ اگر آپ کی خواہش یہ ہے کہ وہ آزاد ہو تو میں اپنی خواہش کے خلاف بھی اسے بھاگ جانے کا موقع دوں گا۔

قاسم نے کچھ کر کہا۔ میں آپ کو ایک اور تکلیف دوں گا۔

اگر میں اپنے دوست کے لیے کچھ کر سکوں تو مجھے راحت ہوگی۔

میری کوئی بات آپ سے پوشیدہ نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ میری صفیہ کے ساتھ شادی ہونے والی ہے۔ طاہر کو ہم نے اس کے سامنے گرفتار کیا تھا۔ اسے طاہر کے ساتھ صرف اس لیے دلچسپی تھی کہ وہ اسلام کا بہت بڑا خادم ہے۔ اب وہ مجھ سے بدظن ہو چکی ہے۔ اگر آپ میری مدد کریں تو ہم اسے یقین دلا سکتے ہیں کہ طاہر کو آزاد کرانے میں میری کوششوں کو بھی دخل تھا اور آپ نے میری دوستی کی وجہ سے خلیفہ کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی۔ شاید اسے میرے کہنے پر یقین آجائے۔

مہلب نے کہا۔ اتنی سے بات؟ میں سمجھتا تھا کہ آپ مجھے کسی بڑے کام کے لیے کہیں گے۔ کل صبح میرا پہلا کام یہی ہوگا لیکن یہی بہتر ہوگا کہ میں اس کے ساتھ باتیں کرنے کی بجائے آپ کے ساتھ کسی ایسی جگہ باتیں کروں جہاں وہ سن سکے۔

قاسم نے جواب دیا۔ اس کا انتظام ہو جائے گا۔ اس پر صرف یہ ظاہر ہونا کافی ہے کہ میں آپ کے ساتھ باتیں کر رہا ہوں۔ وہ یقیناً سننے کے لیے آئے گی۔

مہلب نے ہنستے ہوئے کہا۔ آئندہ سیاسی زندگی میں آپ کے لیے ایسی ہوشیار بیوی بہت بڑی معاون ثابت ہو گی۔ میں آپ کے سر پر سپہ سالار کی دستار رکھ رہا ہوں۔

شکریہ! اور آپ کے متعلق میرا دل یہ گواہی دیتا ہے کہ والد کے بعد بغداد کے وزارتِ عظمیٰ کا قلم دان آپ کے ہاتھ میں ہوگا۔

لیکن مجھے آپ کے متعلق خدشہ ہے کہ آپ بیک وقت دونوں عہدے سنبھالنے کی کوشش کریں گے۔

اور آپ کے متعلق مجھے یہ خدشہ ہے کہ آپ خلیفہ کا تاج چھیننے سے بھی دریغ نہ کریں گے۔

مہلب نے ہنستے ہوئے سنجیدہ ہو کر کہا۔لیکن تم جانتے ہو کہ میں خلیفہ کا وفادار ہوں۔

قاسم نے اُٹھ کر کہا۔میں مذاق کر رہا تھا۔اچھا میں جاتا ہوں۔آپ صبح آنے کا وعدہ یاد رکھیے۔

میں ضرور آؤں گا۔

قُدرت کا ہاتھ

طاہر مغرب کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگ رہا تھا کہ پہرے دار آئے اور اس کی کوٹھڑی کے اندر کھانا رکھ کر چلے گئے۔ گزشتہ دو دن سے اس کی طبعیت ناساز تھی، اس لیے دُعا سے فارغ ہونے کے بعد بھی اس نے کھانے کی طرف توجہ نہ دی۔ تھوڑی دیر کوٹھڑی میں ٹہلنے کے بعد وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ پھر کچھ سوچ کر اُٹھا اور کوٹھڑی کے دوسرے حصے میں جا کر وحید الدین کو آواز دی۔ آج آپ نہیں آئیں گے۔

میں ابھی آتا ہوں۔ اس نے جواب دیا۔

طاہر کچھ دیر اس کے انتظار میں ٹہلتا رہا پھر عشاء کی نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ وحید الدین نے اس کے کمرے میں داخل ہو کر سوال کیا۔ تمہاری طبعیت اب کیسی ہے؟

طاہر کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر اس نے قریب آ کر کہا۔ تم نماز پڑھ رہے ہو!

وہ تھوڑی دیر اس کے قریب بیٹھا رہا پھر اچانک بولا۔ تمہارے کمرے سے پنیر کی بُو آ رہی ہے۔

طاہر سُنت کی رکعتیں پوری کرنے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے پھر زور زور سے سُونگھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ میں حیران ہوں کہ مجھے آج پنیر کی بُو آ رہی ہے؟

طاہر نے جواب دیا۔ میری قوتِ شامہ تو آج کام نہیں کرتی۔ دروازے کے سامنے میرا کھانا پڑا ہے۔ اگر اس میں پنیر ہے تو آپ کھا سکتے ہیں

وحیدالدین نے دوبارہ زور سے سونگھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ گوشت بھی ہے۔ میں جب سے یہاں آیا ہوں مجھے ان کمبختوں نے صرف دو عیدوں پر گوشت بھیجا ہے۔ پنیر کا تو میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا۔ میری بات پر یقین کرو۔ پہرے داروں میں تمہارا کوئی نہ کوئی عقیدت مند ضرور ہے۔ میں گوشت اور پنیر کا خواہشمند نہیں لیکن ایسے موقعوں پر دوستوں کو ضرور یاد رکھنا چاہیے۔ اُف! تم نماز پڑھ رہے ہو!

طاہر نے نماز فرض پوری کی اور کہا۔ آپ وہ کھانا اُٹھا کیوں نہیں لیتے۔ اگر اس میں پنیر ہے تو وہ سارا آپ کا، اگر گوشت ہے تو آدھا آپ کا لیکن اگر صرف سُوکھی روٹی ہے تو ساری آپ کو کھانا پڑے گی۔

خدا کی قسم میری قوت شامہ مجھے دھوکا نہیں دیتی۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور برتن اٹھا کر طاہر کے قریب آ بیٹھا۔ خدا تمہارے عقیدت مند کو جزائے خیر دے۔ گوشت بھی ہے اور پنیر بھی۔ ارے روٹی بھی روغنی ہے۔

طاہر نے کہا۔ میرا انتظار نہ کیجئے۔ میں نماز ختم کر کے آپ کے ساتھ شریک ہو جاؤں گا۔

بے شک اطمینان سے پڑھو۔ کھانا ہم دونوں کی ضرورت سے زیادہ ہے۔ میں پنیر سے شروع کرتا ہوں لیکن تمہارا حصہ رکھ لوں گا۔ وہ نوالہ چباتے ہوئے اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔ یہ کسی فیاض آدمی کا کام ہے۔ خدا کی قسم اگر میں رہا ہو کر وزیر اعظم بن جاؤں تو بغداد کے تمام فیاض آدمیوں کو قید خانے کے سپاہی بھرتی کر لوں اور یہ حکم دوں کہ بے گناہ قیدیوں کو دونوں وقت گوشت اور پنیر کھانے کو دیا جائے۔ نہیں بلکہ دودھ، شہد اور پھل بھی۔ میں سرکاری باغات کے تمام پھل قیدیوں

کے لیے وقف کردوں گا۔

طاہر نے نماز ختم کر کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو وحید الدین کے جبڑوں کی آواز سے بہت ناگوار محسوس ہو رہی تھی۔ اچانک یہ چپاچپ کی آواز بند ہو گئی اور چند لمحات کے بعد طاہر کا ساتھی چلایا۔ طاہر! طاہر! اس کھانے کو ہاتھ نہ لگانا۔ زہر! زہر!!

طاہر نے دہشت زدہ ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ زمین پر لسمبل سا ہو کر تڑپ رہا تھا۔ میرے دوست خدا حافظ!

وحید الدین نے محسوس کیا کہ کوئی اپنے طاقتور ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ رہا ہے۔ چند بار کروٹیں بدلنے کے بعد اس نے ہاتھوں کا سہارا لے کر سر اوپر اُٹھایا اور پھر فرش پر پٹخ دیا۔ طاہر نے اس بازو سے سنبھال کر اس کا سر اپنی آغوش میں لے لیا۔ اچانک اس کے جسم کے تمام پٹھے تن گئے اور وہ آخری ہچکی لینے کے بعد ٹھنڈا ہو گیا۔

طاہر کی حالت اس شخص کی سی تھی جسے اچانک فالج نے آدبایا ہو۔ وہ اپنی زندگی میں کبھی اس قدر خوف زدہ نہیں ہوا تھا۔ چند لمحات وہ وحید الدین کا سر اپنی گود میں بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ آہستہ آہستہ اس کے دل کی دھڑکن واپس آنے لگی۔ خوف سے پتھرائی ہوئی آنکھیں گردوپیش کا جائزہ لینے لگیں۔ ہاتھوں میں حرکت پیدا ہوئی۔ وہ وحید الدین کو ٹٹول رہا تھا۔ اُسے بُلا رہا تھا۔ یہ مر چکا ہے۔ اس کے دل نے آواز دی۔ نہیں تُو مر چکا ہے۔ یہ کھانا تیرے لیے آیا تھا اور اب۔

ایک خیال بجلی کی سی تیزی سے اس کے دماغ میں آیا۔ اس کی سانس تیز ہونے لگی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ دروازے سے باہر چند آدمیوں کے سیڑھیوں سے

اترنے کی آہٹ سنائی دی اور ایک آن میں اس کی تمام کھوئی ہوئی قوتیں واپس آ گئیں۔

اس نے وحید الدین کی لاش اٹھائی اور کوٹھری کے دوسرے حصے میں جا کر سوراخ کے اندر دھکیل کر پتھر کی سلیں اُوپر رکھ دیں۔ پاؤں کی آہٹ قریب آ رہی تھی۔ وہ جلدی سے کھانے کے برتنوں کے قریب پہنچ کر منہ کے بل لیٹ گیا۔ آدمی دروازے پر کھڑے تھوڑی دیر باتیں کرتے رہے پھر کسی نے زور زور سے دروازہ کھٹ کھٹایا اور تھوڑے وقفے کے بعد قفل میں چابی ڈالنے کی آہٹ سُنائی دی۔ پھر دروازے کی زنجیر کے کھٹ سے گرنے کی آواز آئی۔ دروازے کی چرچراہٹ سُن کر طاہر نے آنکھیں بند کر لیں اور دم سادھ لیا۔

مہلب، داروغہ اور ناظم شہر پانچ سپاہیوں کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ ایک سپاہی کے ہاتھ میں مشعل تھی۔

طاہر کے جسم کو ٹھوکر مارنے کے بعد مہلب نے کہا۔ دیکھا! تم کہتے تھے کہ ذرا اور انتظار کر لیں۔ اس زہر کا ایک قطرہ ہاتھی کو مار دینے کے لیے کافی تھا۔ ذرا مشعل نیچے کرو۔ میں دیکھوں اس نے کیا کھایا ہے۔ سپاہی نے مشعل نیچے کی اور مہلب نے کہا۔ دیکھا ئیں میں نے کہا تھا کہ یہ بدو سب سے پہلے پنیر سے شروع ہو گا لیکن یہ آدھے سے زیادہ چٹ کر گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ چبائے بغیر نگل گیا ورنہ اس کا ایک ہی لُقمہ کافی تھا۔ یہ باقی پنیر اُٹھا لو۔ کل وحید الدین کی دعوت ہو گی۔ آؤ میرا یہاں دم گھُٹتا ہے۔ اب اسے سنبھالنا سپاہوں کا کام ہے۔ دیکھو لاش کے ساتھ پتھر ضرور باندھ لینا۔ لیکن وہ اتنا بھاری نہ ہو کہ وہیں ڈوب جائے اور کل ماہی گیر اسے دکھاتے پھریں۔ پتھر صرف اتنا ہو کہ لاش پانی کی سطح پر ظاہر نہ ہو لیکن بہتی ضرور رہے۔

داروغہ نے کہا۔ آپ فکر نہ کیجئے۔ یہ اس قسم کی بیس لاشیں ٹھکانے لگا چکے ہیں ۔ یہ میرے خاص آدمی ہیں۔

مہلب نے سونے کے چند سکے نکال کر سپاہیوں میں بانٹتے ہوئے کہا۔ یہ تمھارا انعام ہے۔

مہلب، ناظم اور داروغہ چلے گئے۔ سپاہیوں نے طاہر کو گھسیٹ کر باہر نکالا اور کندھوں پر لاد کر چل دیے۔ دریا کے کنارے پہنچ کر اُنہوں نے اسے کشتی میں پھینک دیا۔ طاہر کی کمر میں سخت چوٹ آئی لیکن اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی۔ تین سپاہی واپس چلے گئے اور دو سپاہی کشتی کو پانی میں دھکیل کر اس پر سوار ہو گئے۔

ایک سپاہی نے کہا۔ تم اس کی کمر کے ساتھ پتھر باندھو اور چپو سنبھالتا ہوں۔

تم سب بُرے کام مجھ سے کرواتے ہو!

اب اس کے ساتھ اور بُرائی کیا ہو سکتی ہے؟ آج تم یہ کام کرو۔ کل میں کروں گا ۔

کل بھی دو دو اشرفیاں مل جائیں گی۔ خدا کرے وزیرِ خارجہ چند اور آدمیوں پر بھی اپنے زہر کی آزمائش کرے لیکن دوست! اس کام سے وزیرِ ناظم اور دوراغہ نے جو کچھ حاصل کیا ہوگا اس کا ہزارواں حصہ بھی ہمیں نہیں ملا۔

کشتی پر تمام ضروری چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ سپاہی نے طاہر کی کمر میں رسی ڈال کر اس کے ساتھ ایک پتھر باندھ دیا۔ منجدھار میں پہنچ کر دونوں نے طاہر کو ہاتھ اور پاؤں سے پکڑا اور آہستہ سے پانی میں ڈال دیا۔

طاہر کچھ دیر دم روکے پانی کے ساتھ بہتا رہا۔ بالآخر اس نے اوپر آنے کی کوشش کی۔ کمر کے ساتھ پتھر پہلے ہی کافی کس کر بندھا ہوا تھا اور بھیگ جانے سے

رسی کی گرہ اور زیادہ سخت ہوگئی تھی۔ تاہم اس نے محسوس کیا کہ وہ پھتر کا بوجھ اُٹھا کر تیر سکتا ہے۔ جب تک کشتی کافی دور نہ چلی گئی۔ وہ صرف سانس لینے کے لیے سر اوپر نکال کر تیرتا رہا۔ اس نے چند بار اپنی کمر کے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اسے کامیابی کی بجائے چند غوطے آگئے۔ کپڑوں میں پانی رچ جانے کے باعث اس نے محسوس کیا کہ اتنا بوجھ لے کر کنارے تک پہنچنا آسان نہیں۔ اس کا رُخ دوسرے کنارے کی طرف تھا لیکن تیز رفتار اور سرد پانی اسے کنارے کی طرف ایک گز بڑھنے کے بدلے کئی کئی گز بہار کے ساتھ نیچے جانا پڑا۔ اس کی سانس پھول رہی تھی اور اسکے اعظا شل ہو رہے تھے لیکن قدرت کی اعانت پر ایک متزلزل نہ ہونے والے یقین نے اس کی حوصلہ پست نہ ہونے دیا۔

(۲)

رات کے وقت سونے سے پہلے سکینہ کچھ دیر صفیہ کے پاس بیٹھی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہے۔ صفیہ بے توجہی سے کبھی کبھی کسی بات کا جواب دیتی اور پھر خاموش ہو جاتی۔

جاؤ سکینہ سو جاؤ۔ صفیہ یہ کہتی ہوئی بستر پر لیٹ گئی۔ سکینہ اُٹھ کر آہستہ آہستہ برابر والے کمرے کی طرف بڑھی۔ دروازے کا پردہ اُٹھایا لیکن کچھ سوچ کر صفیہ کی طرف دیکھنے لگی۔

صفیہ! اس نے جھکتے ہوئے کہا۔ میں تمہیں ایک چیز دکھانا چاہتی ہوں۔

وہ کیا؟

ابھی لاتی ہوں!

سکینہ اپنے کمرے سے چاندی کا ایک چھوٹا سا ڈبہ اُٹھا لائی اور کرسی کھسکا کر

صفیہ کے بستر کے قریب بیٹھ گئی۔

بھلا اس میں کیا ہے؟ سکینہ نے معصومیت سے سوال کیا۔

مجھے کیا معلوم!

دیکھو تو سہی۔ سکینہ نے ڈبہ کھول کر اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیا۔ صفیہ نے بے پروائی سے گردن اوپر اٹھائی اور ایک نظر ڈالنے کے بعد پھر اپنا سر تکیے پر رکھ دیا۔

سکینہ نے ڈبے سے چمکتے ہوئے موتیوں کا ہار نکال کر اسے دکھاتے ہوئے کہا ۔ یہ لو، میں نے آج ہی منگوایا ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ تمہیں شادی کے موقع پر یہ تحفہ پیش کروں گی لیکن میں اتنے دن انتظار نہیں کر سکتی۔ تم اسے اپنے پاس رکھو۔ جوہری کہتا تھا کہ اس سے بڑے موتی سارے بغداد میں نہیں۔ میں نے اسے ایک ہیرے کی انگوٹھی لانے کے لیے بھی کہا ہے وہ کہتا تھا کہ بغداد میں اس جیسا ہیرا کسی کے پاس نہیں ہوگا۔ لو صفیہ یہ ہار مجھے پہن کر دکھاؤ۔

صفیہ بے حس و حرکت موتیوں کے ہار کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سکینہ نے اُسے بازو سے کھینچ کر اُوپر اٹھایا اور اس کی مزاحمت کے باوجود اس کے گلے میں ہار ڈال دیا۔

صفیہ ہار اُتارنے کی کوشش کر رہی تھی اور سکینہ اسے روک رہی تھی اس زور آزمائی میں ہار کی لڑی پر دونوں کی گرفت مضبوط ہوتی گئی۔

سکینہ کہہ رہی تھی۔ خدا کے لیے اسے مت اتارو۔ یہ بدشگونی ہے۔

نہیں مجھے تمہارے موتیوں اور تمہارے ہیروں سے نفرت ہے۔

مجھے اس محل سے نفرت ہے۔ مجھے اپنی زندگی سے نفرت ہے۔ سکینہ! سکینہ! مجھے تنگ نہ کرو!

اس کش مکش میں ہار ٹوٹ گیا۔ کچھ موتی بستر اور کچھ فرش پر بکھر گئے۔ سکینہ نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ تم بہت ظالم ہو!

صفیہ نے قدرے نرم ہو کر کہا۔ سکینہ مجھے معاف کر دو۔ میں صبح ان موتیوں کو اپنے ہاتھوں سے پرو کر پہن لوں گی۔ لیکن صرف تمھارے لیے کسی اور کے لیے نہیں۔

لیکن تم نے قاسم کے ساتھ شادی کا وعدہ نہیں کیا؟ تم نے کھانا کھاتے وقت امی جان کے سامنے رضامندی کا اظہار نہیں کیا؟ میں جانتی ہوں تم صرف مجھے رُلانا چاہتی ہو۔

سکینہ! میرا مطلب یہ تھا کہ اگر میں زندہ رہی تو قاسم کے ساتھ شادی کر لوں گی۔

پگلی۔ لوگ جیسے مر کر شادی کیا کرتے ہیں۔

لیکن سکینہ! شادی سے پہلے اگر مجھے موت آجائے تو؟ بکو نہیں۔ تم اسی سال تک جیو گی۔

سکینہ نے موتی چُن کر ڈبے میں ڈالتے ہوئے کہا۔ میں صبح خود انہیں پرو کر تمہارے گلے میں ڈالوں گی۔ قاسم۔ امی اور ابا کے سامنے نہیں بلکہ تمام سہیلیوں کے سامنے۔

سکینہ اپنے کمرے میں جا کر سو گئی۔ صفیہ کچھ دیر بستر پر لیٹ کر چھت کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کتاب اٹھا کر پڑھنے کی کوشش کی لیکن چند ورق اُلٹنے کے بعد کتاب ایک طرف رکھ دی اور شمع بُجھا کر سونے کی کوشش کی لیکن اسے نیند نہ آئی۔ چند کروٹیں بدلنے کے بعد وہ اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ ٹہلتے ٹہلتے کُرسی پر بیٹھ گئی۔

پھر اُٹھ کر دروازہ کھولا اور دبے پاؤں باہر نکل آئی۔

برآمدوں سے گزرتی ہوئی محل کے دوسرے سرے دریا کے کنارے جا پہنچی۔ راستے میں اُسے خیال آیا کہ وہ ننگے پاؤں ہے لیکن اس نے پرواہ نہ کی۔

وہ کچھ دیر کونے کے کمرے کے سامنے بلند چبوترے پر کھڑی چاند کی روشنی میں دریا کا منظر دیکھتی رہی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ سیڑھیوں پر پاؤں رکھتی نیچے اُتری اور آخری سیڑھی پر جو پانی کی سطح سے ایک بالشت اُوپر تھی۔ بیٹھ گئی۔ قاسم اسے یہ خوش خبری دے چکا تھا کہ طاہر آج رات آزاد ہو جائے گا اور شاید آزاد ہوتے ہی بغداد سے نکل جائے۔ اسے جس قدر اس کے آزاد ہونے کی خوشی تھی، اُسی قدر اس بات کا غم تھا کہ باقی تمام زندگی بغداد کا پُررونق شہر اسے سُونا نظر آئے گا۔ اس کی زندگی کی مسکراہٹیں ہمیشہ کے لیے چھن جائیں گی۔ کاش وہ آزاد ہو کر یہاں رہ سکتا۔ کاش! وہ اس کے ساتھ جا سکتی۔ چند قدم کے فاصلے پر ایک مچھلی اُچھلی اور پھر پانی میں غائب ہو گئی۔ صفیہ نے اپنے دل میں کہا۔ مجھ میں اور اس مچھلی میں کوئی فرق نہیں۔ یہ آسمان کو ایک بڑا سمندر سمجھ کر ایک ہی جست میں وہاں پہنچ جانا چاہتی ہے۔ اپنے چھوٹے چھوٹے پر دیکھ کر اسے یہ خیال گزرتا ہے کہ شاید میں اُڑ سکتی ہوں لیکن یہ پانی کی سطح سے اوپر ایک نگاہ سے دیکھ بھی نہیں سکتی۔ اسے کیا معلوم کہ اس کی پر صرف تیرنے کے لیے ہیں۔ اُڑنے کے لیے نہیں۔ یہ پانی کی گہرائی میں غوطہ لگا کر نچلی سطح کی کیچڑ تک پہنچ سکتی ہے نیلگوں فضا میں پرواز نہیں کر سکتی۔ صفیہ یہ محل تیرے لیے ایک جھیل ہے۔ تو نے اس کے گدلے اور بدبُودار پانی کی سطح پر تیرتے ہوئے آسمان کی بُلندیوں پر اُڑنے والا ایک آزاد پرندہ دیکھا۔ تو نے پانی سے اُچھل کر اس کا ساتھ دینا چاہا لیکن تیرے پاس اُڑنے کے لیے پر نہ تھے۔ تیرے ساتھی آسمان سے

سرگوشیاں کرنے والے عقاب نہیں۔اس کے بدبُو دار اور گدلے پانی میں رہنے والے کچھوے ہیں۔لیکن نہیں، تو جھیل میں پیدا ہونے کے باوجود بھی شاید اس عقاب کا ساتھ دے سکتی لیکن شکاریوں نے اسے پکڑ کر ایک پنجرے میں بند کر دیا اور ایک کچھوے نے آکر تجھ سے یہ کہا کہ اگر تو اس کیچڑ میں میرے ساتھ رہنا پسند کرے تو اس عقاب کو پنجرے سے نکال دوں گا۔تُو نے اس عقاب کو آزاد کروانے کے لیے یہ وعدہ کر لیا۔تو نے بہت اچھا کیا لیکن کیا تو اس قابلِ نفرت کچھوے کے ساتھ کیچڑ میں رہ سکے گی؟ تجھے صرف موت اس کش مکش سے نجات دلا سکتی ہے۔خود کشی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔نہیں نہیں یہ بُزدلی ہے۔یہ خدا کی رحمت سے انکار ہے۔ یہ انسانیت کی توہین ہے۔اس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا اور ہاتھ پھیلا کر بلند آواز میں کہا۔میرے اللہ! مجھے ہمت دے، مجھے صبر دے ۔ایک بے کس عورت جس کا دنیا میں کوئی نہیں۔آج تیری رحمت کا سہارا لیتی ہے۔

(۳)

وہ اٹھنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اسے اپنے قریب پانی میں ہلکا سا شور سُنائی دیا اس نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔سیڑھی سے چند قدم کے فاصلے پر کوئی پانی میں آہستہ آہستہ ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔خوف سے اس کا دل دھڑکنے لگا اور وہ چند سیڑھیاں اوپر چڑھ کر کھڑی ہوگئی۔ایک آدمی پانی میں ڈوب ڈوب کر اُبھرنے کی کوشش کر رہا تھا۔صفیہ نے محسوس کیا کہ اس کی طاقت جواب دے چکی ہے۔چند گز نیچے جانے کے بعد وہ سیڑھی کے قریب پہنچ گیا۔اس نے دونوں بازو سیڑھی پر پھیلا کر اپنا سر ٹیک دیا لیکن خوف پر ہمدردی غالب آگئی۔وہ ڈرتے ڈرتے نیچے اتری۔

تم کون ہو؟ اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

اس نے جنبش تک نہ کی ۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ صفیہ ذرا اور جرات کر کے آگے بڑھی اور اس سے دو سیڑھیاں اوپر کھڑی ہو کر بولی ۔ میں پوچھتی ہوں تم کون ہو اور اس وقت یہاں کیوں آئے ؟

اس نے سر اوپر اٹھا کر اور ایک نظر صفیہ کو دیکھنے کے بعد پھر نیچے ڈال دیا۔

ایک ثانیے کے لیے صفیہ کے پاؤں زمین سے پیوست ہو کر رہ گئے ۔ اس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ طاہر! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ طاہر! آپ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس حال میں؟

اس نے دوبارہ گردن اٹھائی۔ کون صفیہ؟

صفیہ نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا اور اوپر کھینچنے لگی ۔ طاہر سیڑھی پر چڑھ کر لیٹ گیا۔ صفیہ نے اس کی کمر کے ساتھ بندھی ہوئی پتھر کی سل دیکھ کر کہا ظالم دغا باز، کمینہ!

کون؟ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں؟ طاہر نے ذرا گردن اٹھا کر سوال کیا۔

نہیں ۔ نہیں میں قاسم کے متعلق کہہ رہی ہوں ۔ اس نے آپ کو قید سے چھڑانے کا وعدہ کیا تھا۔ طاہر نے اُٹھ کر اپنا سر ہاتھوں میں دباتے ہوئے کہا۔ یہ تمہارا محل ہے۔

جی ہاں۔

بہت دُور آ گیا میں ۔ یہ پتھر مجھے بری طرح دوسری دنیا کی طرف دھکیل رہا تھا ۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھے ان دو آدمیوں سے کشتی پر ہی نپٹ لینا چاہیئے تھا!

صفیہ نے کہا۔ یہاں خطرہ ہے۔ اُٹھیے میرے ساتھ آئیے! طاہر لڑکھڑاتا ہوا صفیہ کے ساتھ چل دیا۔ دونوں کنارے سے چند قدم کے فاصلے پر ایک گھنے درخت

کے نیچے جا کھڑے ہوئے۔

صفیہ نے پوچھا۔آپ زخمی تو نہیں؟

نہیں لیکن تھکاوٹ سے چُور ہو چکا ہوں۔میں نے قید خانے کے قریب سے اس پتھر کے ساتھ تیرنا شروع کیا تھا۔آپ یہاں کیا کر رہی تھیں؟

کچھ نہیں۔لائیے میں یہ پتھر کھول دوں۔زندہ آدمی کو پتھر باندھ کر دریا میں پھینکنے والا قاسم کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔

میں نے قاسم کو نہیں دیکھا اور مجھے دریا میں پھینکنے والوں کو یقین تھا کہ میں مر چکا ہوں۔

وہ کیسے؟

میں ابھی آپ کو بتاتا ہوں لیکن مجھے یہ بتائیے کہ اس نئے قید خانے سے نکلنے کا کون سا راستہ ہے؟

ادھر دیکھیے۔وہ کشتیاں کھڑی ہیں۔آپ کشتی چلا سکتے ہیں نا؟ ورنہ محل میں ایک نوکر ہے جسے میں آپ کے ساتھ بھیج سکتی ہوں۔

نہیں میں کشتی چلانا جانتا ہوں۔اس دن میری طرح آپ کو وہ نوکر گرفتار تو نہیں ہو گیا تھا؟

نہیں۔میں نے اسے بھگا دیا تھا۔آپ کے باقی دوستوں میں سے بھی کوئی گرفتار نہیں ہوا۔مجھے ڈر تھا کہ آپ مجھ سے بدظن ہو گئے ہوں گے۔قاسم نے آپ کو ستانے کے لیے مجھ سے کہا تھا۔بات یہ تھی کہ قاسم نے وہ رُقعہ لونڈی سے چھین کر پڑھ لیا تھا۔

طاہر نے کہا۔آپ کو صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔میں قاسم کو اچھی

طرح جانتا ہوں اور آپ کی تسلی کے لیے یہ کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ میں آپ کو بغداد کی تمام خواتین سے زیادہ قابلِ احترام سمجھتا ہوں۔آپ کسی سے اس ملاقات کا ذکر نہ کریں۔میرے دُشمن آج سے یہ سمجھیں گے کہ میں مر چکا ہوں۔ممکن ہے کہ مجھے پھر بغداد آنا پڑھے۔مجھے قید خانے میں انہوں نے زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میری بجائے وہ کھانا ایک اور شخص نے کھالیا۔وہ میرے ساتھ والی کوٹھڑی میں بند تھا۔ہم تنگ سُرنگ کے راستے ایک دوسرے کے پاس آجا سکتے تھے۔رات کے وقت وہ میرے کمرے میں آیا۔میرا کھانا پڑا ہوا تھا۔اس نے زہر آلود پنیر کھالیا اور مر گیا۔میں اسے سُرنگ میں دھکیل کر اُوپر سلیں رکھ آیا ہوں۔اس کے بعد میں دم سادہ کر لیٹ گیا۔اور انہوں نے مجھے مُردہ سمجھ کر دریا میں پھینک دیا۔مجھے زہر دینے کی سازش میں شہر کا ناظم،قید خانے کا داروغہ اور مہلب بن داؤد شریک تھے۔قاسم کے متعلق مجھے علم نہیں۔

ایسی ناپاک سازش قاسم کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔شام سے تھوڑی دیر بعد اس نے باہر جاتے ہوئے مجھے بتایا کہ مہلب اور ناظم شہر اس کے ساتھ آپ کو آزاد کرنے کا وعدہ کر چکے ہیں وہ ابھی تک شاید واپس نہیں آیا۔

طاہر نے کہا۔قاسم کا اس سازش میں شریک ہونا میں بعید از قیاس نہیں سمجھتا۔اب آپ کے ذمے ایک اکم ہے اور وہ یہ کہ آپ اپنے چچا کو ان حالات سے باخبر کر دیں۔

آپ کا مطلب ہے کہ میں انہیں آپ کے متعلق بتا دوں؟

نہیں،میرے متعلق کچھ نہ بتایئے۔انہیں صرف یہ بتا دیجیئے کہ مہلب کے دیے ہوئے زہر سے وحید الدین سابق وزیر خارجہ ہلاک ہو چکا ہے اور وہ چھپا ہوا

نہیں تھا بلکہ مہلب نے اسے قید کر رکھا تھا۔ چنگیز خان کو پیغام بھجوانے کی سازش مہلب نے کی تھی اور اب سازش کے انکشاف کے خوف سے اس نے دو بے گناہوں کی جان لی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وحید الدین کی لاش اس سرنگ میں پڑی ہوئی ہے۔ اپنے چچا کو مجبور کریں کہ وہ صبح ہوتے ہی قید خانے کی ان کوٹھڑیوں کا معائنہ کریں ورنہ کل رات اسے بھی میری طرح دریا میں پھینک دیا جائے گا۔ تمہارے چچا ان باتوں پر اعتبار کرنے سے پہلے تم سے یہ پوچھیں گے کہ تمہیں ان واقعات کا علم کیسے ہوا؟ تم اس کا یہ جواب دے سکتی ہو کہ قید خانے کے ایک سپاہی نے یہ واقعات میرے کسی دوست کو بتائے ہیں اور اس نے تمہارے نوکر سعید کو آدھی رات کے وقت تمہارے پاس بھیجا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ان واقعات کی چھان بین کرنے کی بجائے فوراً قید خانے کی طرف متوجہ ہوں گے۔

صفیہ نے کہا۔ میں اس کا بندوبست کر لوں گی۔ میں علی الصباح گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں جاؤں گی اور وہاں سے فوراً واپس آ کر چچا کو یہ سب کچھ بتا دوں گی۔ اگر وہ پوچھیں گے تو میں کہوں گی کہ میدان میں مجھے ایک اجنبی نے یہ تمام واقعات بتائے ہیں اور مجھ سے درخواست کی ہے کہ فوراً آپ کو باخبر کر دوں۔

اس کے بعد مجھے یقین ہے کہ خلیفہ کی حمایت کے باوجود مہلب کے بغداد رہنا ناممکن ہو جائے گا۔ آپ اپنے چچا کو مشورہ دیں کہ وہ داروغہ یا ناظم کو دھمکی دیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اصلی مجرم کو ظاہر کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ لیکن اس سے پیشتر وہ وحید الدین کی لاش ضرور برآمد کر لیں۔ میں اب جاتا ہوں۔ شاید کل رات میں ترکستان روانہ ہو جاؤں گا۔ آپ نے وہاں کی کوئی خبر سنی ہے۔

ہاں۔ بہت بری خبریں۔ تاتاری بخارا اور سمرقند کے علاوہ شمال کے کئی اور شہر

فتح کر چکے ہیں اور اب ان کی افواج جنوب اور مشرق کے شہروں کی طرف بڑھ رہی ہیں۔

بلخ کے متعلق کوئی خبر سُنی ؟

بلخ پر حملہ ہونے والا ہے!

بہت اچھا میں جاتا ہوں۔

صفیہ نے اس کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔ میں ایک بار ٹھکرائی ہوئی درخواست دوبارہ دوہرانا چاہتی لیکن جیتے جی انسان کے ہاتھ اُمید کے دامن سے جدا نہیں ہوتے۔ میں یہاں نہیں رہنا چاہتی۔ مجھے یہاں سے لے چلیے۔ اگر اپنے ساتھ نہیں تو مجھے مدینے بھیج دیجیے۔ میں وہاں آپ کا انتظار کروں گی!

نہیں نہیں۔ یہ موضوع نہ چھیڑو!

لیکن کیوں؟ آپ مجھے اس قدر قابلِ نفرت کیوں سمجھتے ہیں؟

میں آپ کو قابلِ نفرت نہیں سمجھتا بلکہ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اپنی نظروں میں قابلِ نفرت نہ بن جاؤں۔

صفیہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن دو پہرے دار باتیں کرتے ہوئے برآمدے سے نکلے اور چبوترے پر کھڑے ہوگئے۔

ایک کہہ رہا تھا۔ قاسم رات ہوتے ہی کشتی پر دوسرے کنارے گیا تھا ابھی تک نہیں لوٹا۔

دوسرے نے کہا۔ بھئی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ وہ کسی جوہری کی دکان لوٹنے گیا ہوگا۔

کس کی شادی؟

ارے قاسم کی۔

کس کے ساتھ؟

یہ تو ہمارے اصطبل کے سائیس بھی جانتے ہیں۔صفیہ کے ساتھ۔

بالکل بکواس۔صفیہ کے متعلق تو اس محل کے چمگادڑ بھی یہ جانتے ہیں کہ اسے قاسم کے ساتھ روزِ پیدائش سے نفرت چلی آتی ہے۔

لگاؤ شرط!

تم پہلے میرے ساتھ کئی شرطیں ہار چکے ہو۔پہلے پچھلی شرط کے چار دینار مجھے دے دو۔پھر نئی شرط لگاؤں گا۔

وہ میں تمہیں صبح ہوتے ہی دے دوں گا لیکن مزا جب ہے کہ تم میرے ساتھ بیس دینار کی شرط لگاؤ۔

منظور ہے۔لیکن ایسے نہیں،چلو صادق کے سامنے دونوں قسم کھاتے ہیں۔

چلو!

سپاہی چل دیے اور طاہر نے آہستہ سے پوچھا۔کیا یہ دُرست ہے؟

ہاں! قاسم نے آپ کو اس شرط پر قید سے آزاد کرنے کا ذمہ لیا تھا کہ میں اس کے ساتھ شادی کرنے کا وعدہ کروں اور مجھے آپ کے لیے یہ وعدہ کرنا پڑا۔اب اس انکشاف کے بعد اس وعدے سے آزاد ہوں گی لیکن اگر اس کے باوجود آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میری وجہ سے آپ اپنی نظروں میں قابلِ نفرت بن جائیں گے تو مجھے حکم دیجئے ۔اس دنیا میں ذلت کا کوئی گڑھا ایسا نہیں جس میں میں آپ کا حُکم سُن کر آنکھیں بند کر کے کودنے کے لیے تیار نہ ہو جاؤں۔اس محل میں رہتے ہوئے میرے لیے دو ہی راستے ہیں۔قاسم کے ساتھ شادی کرلوں یا اس دریا میں ڈوب جاؤں۔اگر میری

یہ قربانی عالمِ اسلام کے بے کس بہنوں کو کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے تو میں اس کے لئے تیار ہوں ۔لیکن خدا میرا گواہ ہے کہ میں صرف آپ کو چاہتی ہوں ۔اور جب تک زندہ رہوں گی آپ کو چاہتی رہوں گی ۔اگر یہ ایک جرم ہے تو میں مجرم ہون ۔اگر اس جرم کی سزا موت ہے تو خدا کے لیے اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ دیجیئے ۔مجھے اس پتھر کے ساتھ باندھ کر دریا میں دھکیل دیجیئے ۔میں آپ کو اپنا قاضی بناتی ہوں ۔آپ سے اپنے متعلق فتوٰی پوچھتی ہوں اگر مغیں نے اس کیچڑ میں پلنے والے کیڑوں کی بجائے اپنی محبت کے لیے ایک انسان تلاش کرنے میں کوئی جُرم کیا ہے تو بتایئے میری سزا کیا ہے؟ آپ کہتے تھے کہ ترکستان کے میدان خطرناک ہیں لیکن کاش آپ کو یہ معلوم ہوتا کہ عورت جسے چاہتی ہے اس کے ساتھ تیروں کی بارش میں بھی خوش رہ سکتی ہے لیکن اس کے بغیر اسے سونے کے محل بھی قید خانہ معلوم ہوتے ہیں۔

وہ رو رہی تھی۔

طاہر یہ محسوس کر رہا تھا کہ دنیا کے تمام عناصر کی قوتِ تسخیر سمٹ کر اس لڑکی کے وجود میں آ گئی ہے ۔اس نے پہلی بار اس حسین چہرے کی طرف غور سے دیکھا جس میں ہزاروں بجلیاں تڑپ رہی تھیں ۔طاہر ضبط نہ کر سکا۔

صفیہ! صفیہ!! کاش مجھے پہلے معلوم ہوتا، مجرم تم نہیں میں ہوں ۔قراقرم جانے سے پہلے مجھے معلوم نہ تھا کہ تم مجھے اس حد تک قابلِ توجہ سمجھتی ہو لیکن اس سفر۔

۔۔۔۔۔۔! طاہر یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔

صفیہ جیسے گہرے پانی میں غوطہ لگا کر سانس لے رہی ہو۔طاہر کے منہ سے اپنا نام سن کر وہ پھر امید کا چھوٹا ہوا دامن پکڑ رہی تھی ۔بتایئے اس سفر میں کیا ہوا؟

بتائیے۔

میں ایک لڑکی سے شادی کا وعدہ کر چکا ہوں۔

طاہر کا خیال تھا کہ وہ یہ الفاظ سننے کے بعد اس پر حقارت سے ایک نگاہ ڈالنے کے بعد بھاگ جائے گی لیکن اس جنبش تک نہ ہوئی۔ نفرت اور حقارت کی بجائے اس کے ہونٹوں پر ایک دلفریب مسکراہٹ تھی۔ تلخ ہونے کی بجائے اس نے میٹھی اور دل کش آواز میں کہا تو تم مجھ سے نفرت نہیں کرتے؟

میں تم سے کیسے نفرت کر سکتا ہوں۔

کیا وہ خوبصورت ہے؟

ہاں۔

یقیناً مجھ سے کہیں زیادہ خوب صورت ہوگی؟

نہیں۔ مجھے معلوم نہیں۔

اگر آپ اس کے ساتھ شادی کا وعدہ نہ کر چکے ہوتے تو کیا پھر بھی میری التجائیں ٹھکرا دیتے اور مجھے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتے؟

ہاں۔ موجودہ حالات میں فرض مجھے انکار پر مجبور کرتا۔ میں میدان میں تمہاری حفاظت کرنے کے بجائے اس شہر اور ملک کی چاردیواری پر پہرہ دینا زیادہ آسان سمجھتا ہوں۔

اس کا نام کیا ہے؟

ثریا۔

کہاں ہے وہ؟

بلخ میں۔

اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی طرح بغداد میں بھی اس کی ایک بہن آپ کو چاہتی ہے تو کیا وہ اسے اپنی حق تلفی سمجھے گی؟

نہیں وہ حسد سے بہت بلند ہے۔

ایک عورت دوسری عورت کی مجبوریاں سمجھ سکتی ہے۔آپ اس کے ساتھ شادی کر لیں۔ میں اس امید پر زندہ رہوں گی کہ میں کسی دن اس سے رحم کی بھیک مانگ کر آپ کے پاس پہنچ جاؤں گی اور ہم دونوں اپنے لیے آپ کا دامن کشادہ پائیں گی۔ میں اس کی لونڈی بن کر بھی گزارہ کر لوں گی۔ میں صرف یہ جاننا چاہتی تھی کہ آپ مجھ سے نفرت تو نہیں کرتے۔ یہ میرے لیے بہت بڑا انعام ہے۔ بہت بڑا سہارا ہے۔اس مضبوط چٹان پر کھڑی ہو کر ساری دُنیا کے ساتھ لڑ سکتی ہوں۔ میں اب چچا، چچی اور قاسم کو جواب دے سکتی ہوں۔ مجھے کسی کا خوف نہیں۔

طاہر نے کہا۔صفیہ! میں وعدہ کرتا ہوں کہ ترکستان سے فارغ ہوتے ہی یہاں آؤں گا۔ اس وقت تک میرے متعلق شاید تمہارے چچا کی رائے بھی بدل جائے اور میں اس بہت بڑے انعام کے لیے دامن پھیلا سکوں میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میری محبت کے آسمان پر ہر وقت دو ستارے جگمگاتے رہیں گے۔ میری نگاہوں میں تمہارا اور ثریا کا درجہ ایک ہو گا۔

میں آپ کے دامن کی گرد بن کر بھی آپ کے ساتھ رہوں گی۔ بلخ پر رہنے والی بہن کو میرا سلام دیجئے اور اس کے پاس میری ایک نشانی لیتے جائیے۔صفیہ نے اپنی انگوٹھی اُتار کر طاہر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ میں آپ دونوں کا انتظار کروں گی۔ اگر آپ نے دیر لگائی تو شاید قدرت مجھے آپ کے پاس لے آئے۔ دنیا کی کوئی خلیج ایسی نہیں جسے محبت کی کشتی میں بیٹھ کر عبور نہ کیا جا سکے۔

پانی میں کشتی کے چپوؤں کی آہٹ پا کر دونوں دریا کی طرف متوجہ ہوئے۔

صفیہ نے کہا۔شاید قاسم آرہا ہے۔

دونوں سمٹ کر درخت کے تنے کے ساتھ لگ گئے۔ کشتی کنارے پر آلگی۔

قاسم اور اس کے ساتھ دو اور آدمی کشتی سے اتر کر محل کے اندر چلے گئے۔

صفیہ نے کہا۔وہ شاید مجھے یہ خبر دینے جارہے ہیں کہ آپ آزاد ہو چکے ہیں۔ آپ جائیے۔ جب تک آپ کی کشتی نظر آتی رہے گی۔ میں یہاں کھڑی دیکھتی رہوں گی۔لیکن ذرا ٹھہریے۔پہرے دار آرہے ہیں۔

پہرے دار آئے اور تھوڑی دیر چبوترے پر کھڑے ہو کر باتیں کرتے ہوئے چلے گئے۔ان کی گفتگو کا موضوع ابھی تک صفیہ اور قاسم کی شادی تھا۔

آخر قاسم میں کیا نقص ہے جو صفیہ اس کے ساتھ شادی نہیں کرے گی۔وہ اندھا ہے۔لنگڑا ہے۔کانا ہے۔یہ تمہاری طرح بے وقوف ہے؟

ارے کچھ بھی ہو، مجھے یقین ہے کہ صفیہ اس کے ساتھ شادی نہیں کر سکتی۔اس کے قابل کسی سلطنت کا ولی عہد ہی ہو سکتا ہے۔

صفیہ نے کہا۔اب آپ چلیے!

طاہر نے اُتر کر ایک چھوٹی سی کشتی کا رسا کھولا اور اس پر بیٹھ کر چپو سنبھالتے ہوئے کہا۔خدا حافظ صفیہ!

خُدا حافظ!صفیہ نے کشتی کو پانی میں دھکیل دیا۔

جب تک کشتی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوگئی۔وہ خُدا حافظ! خدا حافظ! کہتی گئی۔

www.Nayaab.Net 2006 انٹرنیٹ ایڈیشن دوم سال

صبح کے وقت وزیراعظم نے صفیہ کی تمام باتیں سننے کے بعد کہا۔ اگر یہ بات صحیح ثابت ہوئی تو میں تمہیں ایک بات کا یقین دلاتا ہوں اور وہ یہ کہ میری بھتیجی کی شادی میرے نالائق بیٹے کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ میں جانتا تھا کہ طاہر ایک مخلص نوجوان ہے۔ میں اس کی گرفتاری کے خلاف تھا۔ اسی لیے میں اسے اور اس کے دوستوں کو بھاگ جانے کا موقع دیتا رہا۔ مجھے یہ پیغام بھیج کر اس کے ساتھیوں نے اپنے خلوص کا دوسرا ثبوت دیا ہے۔ ورنہ بے خبری میں شاید وحید الدین کے بعد میری باری آتی۔ مجھے اس بدمعاش نے کہا تھا کہ وہ خلیفہ کے حکم سے آج اسے قید سے فرار ہونے کا موقع دے گا۔ میں ابھی جاتا ہوں۔

صفیہ اپنے کمرے میں پہنچی تو قاسم وہاں سکینہ کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ اس نے صفیہ کو دیکھتے ہی کہا۔ صفیہ! میں ایک بہت بڑی خبر لے کر آیا ہوں۔ مہلب نے ابھی مجھے اطلاع دی ہے کہ طاہر قید خانے سے بھاگ گیا ہے۔ میں نے اس سے تفصیلات نہیں پوچھیں۔ میں یہ خبر سنتے ہی تمہارے پاس آیا تھا۔ میں ابھی اس کے پاس جا رہا ہوں۔ وہ نیچے دریا کے سامنے برآمدے میں بیٹھا ہے۔ وہ واپس آ کر تمہیں سارے واقعات بتاؤں گا۔

سکینہ نے کہا۔ شاہی قید خانے سے طاہر کے بھاگ نکلنے کی تفصیل بہت دلچسپ ہو گی۔ چلو صفیہ ہم کمرے کے پردے کے پیچھے بیٹھ کر سنیں کیوں قاسم! ہمیں تمہاری باتیں سننے کی اجازت ہے؟

لیکن اس شرط پر کہ تم جو کچھ سنو وہ کسی سے نہ کہو۔ بات یہ ہے کہ اسے بھاگنے کا موقع دینے میں میرے چند دوستوں کی کوششوں کا دخل ہے۔

واہ ہم کوئی احمق ہیں!

قاسم کمرے سے باہر نکل گیا۔

سکینہ نے صفیہ سے کہا۔ چلو صفیہ! مجھے اس کے بھاگ نکلنے سے بہت دلچسپی ہے۔

صفیہ جو کچھ جاننا چاہتی تھی جان چکی تھی لیکن کچھ سوچ کر وہ سکینہ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگئی۔

دریا کے کنارے کمرے میں پہنچ کر وہ دروازے کے پردے کے پیچھے کھڑی ہوگئیں۔ مہلب یہ کہہ رہا تھا۔ اب مجھے ڈر ہے کہ اگر اس نے کسی کو بتا دیا تو ہماری شامت آجائے گی۔

قاسم نے کہا۔ نہیں وہ آپ جیسے محسن کے ساتھ دھوکا نہیں کرسکتا۔

مہلب نے کہا۔ اس کے محسن تو تم ہو۔ میں نے سب کچھ تمہارے لیے کیا ہے اور میں نے اسے بتا بھی دیا تھا کہ تمہیں صرف قاسم کی سفارش پر بھاگنے کا موقع دیا گیا ہے۔

لیکن وہ نکلا کیسے؟

کیا تم نے مجھے جو پانچ سو دینار دیے تھے وہ قید خانے کے پانچ پہرے داروں کو خریدنے کے لیے کافی نہ تھے؟

قاسم نے پوچھا۔ آپ نے اسے کہاں پہنچایا؟

مہلب نے جواب دیا قید خانے سے باہر اسے چھوڑ دیا گیا تھا۔ وہ یقیناً اپنے دوستوں کے پاس گیا ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ وہ بہت جلد بغداد چھوڑ کر چلا جائے گا۔ اس نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے دو دوستوں کے سوا کسی سے نہیں ملے گا اور رات کے وقت ہی بغداد چھوڑ کر چلا جائے گا!

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب ہم اس کے متعلق کچھ نہیں سنیں گے۔ مجھے افسوس ہے کہ حکومت کے بعض عہدے دار اس سے بدظن ہو گئے ورنہ وہ ایک کارآمد نوجوان تھا۔ بہر حال متعلق وہ بُری رائے لے کر نہیں گیا۔

صفیہ کی قوتِ برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس نے چہرے پر نقاب ڈال کر دروازے کا پردہ اٹھایا اور برآمدے میں داخل ہو کر بولی۔ تم دونوں کس کو بے وقوف بنانا چاہتے ہو۔ یہ خبر اب آدھے شہر میں مشہور ہو چکی ہے کہ ماہی گیروں نے آدھی رات کے بعد دریا سے ایک لاش نکالی ہے اور وہ لاش طاہر کی ہے۔

قاسم اور مہلب کے چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے صفیہ کی طرف دیکھنے لگے۔ صفیہ نے کہا۔ اور چچا جان تیسرے پہر یہ سُنتے ہی خود قید خانے میں تحقیقات کے لیے چلے گئے تھے۔ وہاں ایک اور لاش ملی ہے اور اسکے مُنہ میں زہر آلود پنیر تھا۔ وحید الدین سابق وزیر خارجہ کی لاش۔ اور جانتے ہو کہ چچا کو داروغہ نے کیا بتایا ہے؟ رات کے وقت بغداد کے ایک بہت بڑے غدار کے حکم سے دو آدمیوں کو زہر دیا گیا تھا۔ ایک وہ جس کے متعلق تم ابھی باتیں کر رہے تھے۔ جس کی لاش بغداد کے کسی چوراہے پر انتقام کے لیے پکار رہی ہے۔ دوسرا وہ جس کے قید ہونے کا علم تمہارے دوست اور اس کے چند ساتھیوں کے سوا کسی کو نہ تھا۔

مہلب اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ صفیہ نے چلا کر کہا۔ زمین تمہارے جیسے بدکردار کو کوئی جگہ نہیں دے گی۔ شہر میں تمہاری تلاش جاری ہے۔ اس محل کے ہر دروازے پر سپاہی کھڑے ہیں۔ بغداد کا بچہ بچہ تمہاری بوٹیاں نوچنے کے لیے تیار ہے۔

قاسم نے صفیہ کا بازو پکڑ کر اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ صفیہ! کیا کہہ رہی ہو۔ ہوش کی بات کرو۔

مجھے چھوڑ دو۔ مجھے تم سے نفرت ہے۔ تم کمینے اور مکار ہو۔

قاسم نے اس کے منہ پر ایک چپت رسید کی اور اسے گھسیٹتا ہوا اندر لے گیا۔ وہ چلائی۔ بزدل آدمی عورتوں کے ساتھ زور آزمائی کے سوا اور کیا کر سکتا ہے۔

سکینہ نے آگے بڑھ کر کہا۔ صفیہ تمہیں کیا ہو گیا۔ قاسم چھوڑ دو اسے آج اس کا دماغ ٹھیک نہیں۔

صفیہ نے لال پیلی ہو کر کہا۔ آخر اس کی بہن نکلیں نا۔ لگاؤ تم بھی ایک چپت میرے مُنہ پر!

سکینہ نے کہا۔ صفیہ! خُدا کے لیے زبان بند کرو۔ وہ معزز آدمی کیا خیال کرے گا۔

صفیہ نے کہا۔ چور! ڈاکو! قاتل!! خدا کے لیے سپاہیوں کو بلاؤ۔ چچا جان اس کی تلاش میں ہیں۔ وہ بھاگ نہ جائے!

قاسم اسے کمرے سے نکال کر کھینچتا ہوا محل کے دُوسرے سرے پر لے گیا۔ خواجہ سرا، لونڈیوں اور نوکروں کو جمع ہوتے دیکھ کر صفیہ خاموش ہو گئی اور پھر نرم ہو کر بولی۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں اپنے کمرے میں چلی جاتی ہوں۔ میں تمہیں جھوٹ کی سزا دینا چاہتی تھی لیکن اپنے دوست کو چچا جان کے آنے تک ضرور روکو!

قاسم پریشانی کی حالت میں مہلب سے معذرت کے لیے موزوں الفاظ سوچتا ہوا لوٹا لیکن مہلب وہاں موجود نہ تھا۔ ایک کشتی دریا کے دوسرے کنارے کی طرف تیزی سے جا رہی تھی اور وہ اس پر سوار تھا۔

دوپہر کے وقت وزیر اعظم کے حکم سے شہر میں یہ منادی ہو رہی تھی کہ مہلب کا پتہ دینے والے کو پانچ ہزار اشرفیاں انعام میں دی جائیں گی۔

عصر کے وقت جب قاسم اپنے باپ سے طویل ملاقات کرکے باہر نکلا تو اس کا چہرہ اترا ہوا تھا اور سکینہ صفیہ سے کہہ رہی تھی ۔تم نے سُنا ۔ ابا جان نے قاسم سے کہا کہ جب تک میں بغداد کا وزیر اعظم ہوں، تمہارا یہاں رہنا ٹھیک نہیں ۔ وہ کل مصر روانہ ہو جائے گا ۔ ابا جان نے مصر کے سلطان کو لکھا ہے کہ اسے فوج میں کوئی معمولی عہدہ دے دیا جائے لیکن ان کا غصہ اتر جائے گا تو وہ اسے بلا لیں گے ۔

اگلے دن شہر میں یہ خبر مشہور تھی کہ رات کے وقت ایک ہزار سوار تاتاریوں کے خلاف خوارزم شام کا ساتھ دینے بغداد چھوڑ کر چلے گئے ہیں ۔

شیر خوارزم

جلال الدین نے افغانستان کی شمالی سرحد سے مرو کے گورنر کو اطلاع بھیجی کہ وہ کم ازکم چار ہفتے مرو کی حفاظت کرے اور اس عرصے میں وہ بلخ، ہرات اور دوسرے شہروں سے نئی فوج منظم کر کے اس کی مدد کے لیے پہنچ جائے گا۔

مرو کی حفاظت کے لیے باقاعدہ فوج اگرچہ کم تھی لیکن پناہ گزینوں کی لاکھوں تلواریں موجود تھیں۔ وہ یہ کہ فیصلہ کر چکے تھے کہ یہاں بخارا، سمرقند اور دوسرے شہروں کی غلطیوں کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ عورتیں تیر اندازی کی مشق کر رہی تھیں، بچے مکانوں کی چھتوں پر پتھر جمع کر رہے تھے۔ غرض مرو کا ہر گھر ایک قلعہ تھا اور عوام کو امید تھی کہ وہ نہ صرف ایک طویل مدت تک شہر کی حفاظت کر سکیں گے بلکہ تاتاریوں سے گزشتہ تمام مظالم کا بدلہ لے سکیں گے۔

مساجد میں ہر نماز کے بعد لوگ خطبہ جہاد سنتے اور مرو کی حفاظت کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کا فیصلہ کرتے۔

ایک صبح جب مرو کی مساجد میں موذن اہلِ شہر کو نماز کے لیے بلا رہے تھے۔ تاتاریوں کی ٹڈی دل افواج شہر کی فصیل کے سامنے نمودار ہوئیں۔ آن کی آن میں شہر پناہ پر تیر انداز کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو گئے اور وہاں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ تاتاری افواج کی قیادت چنگیز خان کے چھوٹے بیٹے تولائی کے سپرد تھی۔ چنگیز خان کی نگاہ میں تولائی اپنی بہادری سے زیادہ مکاری اور دغابازی کی بدولت بہت عزت حاصل کر چکا تھا لیکن مرو کی فصیل پر انسانوں کے بے پناہ ہجوم اُسے پریشان کرنے کے لیے کافی تھا۔

تولائی تذبذب کی حالت میں کھڑا تھا۔ شہر کے چند غداروں نے جو اس کی آمد

کی خبر پاتے ہی اس کے ساتھ آ ملے تھے۔ یہ خبر دی کہ فصیل پر مردوں کی بجائے عورتیں زیادہ ہیں، تولائی نے یہ سنتے ہی فوج کو طوفانی حملے کا حکم دیا۔ لیکن شہر پناہ سے تیروں اور پتھروں کی بارش نے تاتاریوں کے دانت کھٹے کر دیے۔ فصیل کے نیچے ہزاروں تاتاری ڈھیر ہو گئے۔ تولائی نے یہ صورت دیکھی تو فوج کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اور شہر سے کچھ فاصلے پر پڑاؤ ڈال دیا۔ پانچ دن تک تولائی کو شہر پر قبضہ کرنے کی صورت نظر نہ آئی۔ طاقت کے استعمال سے مایوس ہو کر اس نے حسبِ عادت عیاری کی خواہش ظاہر کی اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ ہم بعض باتوں کے متعلق گورنر سے تشفی حاصل کرنے کے بعد لوٹ جائیں گے۔

چند دُور اندیش لوگ گورنر کو تولائی کے پاس بھیجنے کے خلاف تھے لیکن گورنر نے انہیں سمجھایا کہ میں اسکے دھوکے میں نہیں آ سکتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ مجھے قتل کرا دے گا لیکن میرے واپس نہ آنے پر ان لوگوں کی بھی تسلی ہو جائے گی جو اب تک مقابلہ کرنے کی بجائے تاتاریوں سے مصالحت کی توقع رکھتے ہیں۔ میں کوشش کروں گا کہ جب تک جلال الدین کی فوج نہ آ جائیں، ہم اس کے ساتھ صلح کی بات چیت جاری رکھیں۔

تولائی نے گورنر کا نہایت پرتپاک خیر مقدم کیا اور اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔ میرے دل میں بہادروں کے لیے عزت ہے۔

صلح کی بات چیت شروع ہوئی تو تولائی نے کہا۔ ہم صرف یہ وعدہ لے کر کہ آپ کی افواج ہمارا پیچھا نہیں کریں گی۔ واپس جانے کے لیے تیار ہیں اور اس کے ساتھ ہم یہ بھی وعدہ کرنے کے لیے تیار ہیں کہ جلال الدین کے ساتھ ہمارے تعلقات خواہ کچھ ہوں، ہم دوبارہ مرو پر حملہ نہیں کریں گے۔ اس کے عوض آپ کو

معمولی تاوان ادا کرنا پڑے گا۔

گورنر ہر قیمت پر مہلت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کچھ سوچ کر کہا: ہمارا خزانہ اگرچہ خالی ہے۔ تاہم میں اہلِ شہر سے ایک خاصی رقم جمع کر کے آپ کو دے سکوں گا۔

لیکن آپ کا یہ فیصلہ تمام اہلِ شہر کے لیے قابلِ قبول ہوگا؟

میں شہر کا گورنر ہوں۔

یہ صحیح ہے لیکن آپ تاوان ادا کرنے کی ذمہ داری تنہا اپنے سر کیوں لیتے ہیں؟ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ شہر کے بااثر لوگوں کو یہاں بلالیں۔ اگر ان کی موجودگی میں معاہدہ لکھا جائے تو ان میں سے کسی کو اعتراض نہیں ہوگا۔ آپ ان کے نام ایک خط لکھ بھیجیں۔ میرے خیال میں ہم بہت جلد کسی فیصلے پر پہنچ جائیں گے۔

مرو کے گورنر نے شہر کے دس معززین کے نام ایک مراسلہ لکھ کر بھیج دیا۔

گورنر کا مراسلہ پڑھ کر وہ بہت سے لوگوں کے مشورے کے خلاف تولائی کے پاس چلے گئے۔ تولائی ان کے ساتھ بھی خندہ پیشانی سے پیش آیا لیکن تاوان کی رقم کے متعلق ان سب نے کہا اہل شہر سے مشورہ لیے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

تولائی نے کہا۔ مجھے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ شہر خزانہ خالی ہے۔ مجھے آپ کی مجبوری کا احساس ہے۔ آپ جائیں، کل پھر ملاقات ہوگی۔ بہتر ہوگا کہ کل آپ اپنے ساتھ کے ہر گروہ کا نمائندہ لیتے آئیں۔

تاتاریوں نے گورنر اور اس کے ساتھیوں کو عزت و احترام کے ساتھ شہر پناہ کے پاس پہنچا دیا۔ رات کے وقت شہر میں اس خبر پر خوشیاں منائی جارہی تھیں کہ کل صلح ہو جائے گی اور تاتاری چلے جائیں گے لیکن پناہ گزین جو تاتاریوں کے ہر

حربے سے واقف تھے، اہلِ شہر کو ہوشیار رہنے کی تاکید کر رہے تھے۔ شہر کے معززین کو بھی تاتاریوں کے متعلق خوش فہمی نہ تھی لیکن گورنر اس بات پر مُصر تھا کہ ہمیں صلح کی بات چیت جاری رکھ کر وقت لینا چاہیے۔ اگلے دن قریباً چالیس آدمی گورنر کے ساتھ تولائی کے پاس چلے گئے۔

دوپہر کے وقت تاتاری ان میں سے ہر شخص کو سخت جسمانی اذیتیں دینے کے بعد ان سے شہر کے دوسرے مقتدر لوگوں کے نام خطوط لکھوا رہے تھے۔ یہ خط شہر کے غداروں کی مدد سے ان کے پاس پہنچائے گے اور عصر کے قریب ستر اور آدمی تولائی کے کیمپ میں آ گئے۔

شام کے وقت تاتاریوں نے گورنر، سپہ سالار اور ان کے تین ساتھیوں کے سوا سب کو قتل کر دیا۔

رات کے وقت قریباً ایک سو دس تاتاریوں نے گورنر کے ساتھیوں کا لباس پہن لیا اور گورنر اور سپہ سالار اور ان کے تین ساتھیوں کو خنجر دکھا کر آگے آگے شہر کے دروازے کی طرف چلنے پر مجبور کر دیا۔ آگے آگے شہر کے چند غدار بھی تھے جو گورنر سے پندرہ بیس قدم آگے عربی اور فارسی زبان میں بلند آواز سے باتیں کرتے جاتے تھے۔ دروازے کے سامنے پہنچ کر انہوں نے فصیل پر پہرے داروں کو صُلح کی مبارک باد دیتے ہوئے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔

دروازے کے پہرے داروں میں سے ایک نے روزن سے سر نکال کر باہر جھانکا اور دروازہ کھول دیا۔ اندر بے شمار لوگ جمع تھے۔ دروازہ کھلتے ہی ایک آدمی نے باہر نکلتے ہوئے سوال کیا۔ بہت دیر لگائی آپ نے؟ کیا خبر لائے؟ گورنر کہاں ہے؟ اور پھر آگے بڑھ کر تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔ تم

کون ہو؟ گورنر کہاں ہے؟

وہ آرہے ہیں۔غداروں میں سے ایک نے پیچھے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اتنی دیر میں پانچ چھ اور آدمی باہر نکل آئے۔

گورنر بھاگ کر آگے بڑھا اور چلایا۔دروازہ بند کرلو۔تاتاری آگئے۔

جلدی! ایک تاتاری نے تلوار ماری اور اسے زمین پر لٹا دیا۔تین چار اور آوازیں یہ کہتے ہوئے سُنائی دیں۔دروازہ بند کرو۔تاتاری حملہ کرنے والے ہیں۔ لیکن تاتاریوں نے انہیں بھی موت کی گھاٹ اُتار دیا۔ایک لمحے کے لیے پہریدار ششدر ہو کر رہ گئے اور جب تک وہ دروازے کی طرف متوجہ ہوئے مسلمانوں کے بھیس میں تاتاریوں کا گروہ دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا اور پہرے داروں نے یہ سمجھ کر تاتاری عقب سے ارکانِ وفد پر تیر برسا رہے ہیں انہیں اندر گھسنے کا موقع دے دیا۔مشعلوں کی روشنی میں غیر مانوس صورتیں دیکھ کر وہ چلائے لیکن تاتاریوں نے آن کی آن میں پچاس ساٹھ آدمی موت کی گھاٹ اتار دیے۔

چند تاتاری جو اندر داخل ہونے میں کامیاب نہ ہو سکے۔فصیل کے پتھروں اور تیروں کا شکار ہوئے لیکن باقی پہرے داروں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے ساتھ تیغ آزمائی کرتے رہے۔

اچانک باہر بے شمار گھوڑوں کی ٹاپوں کی آہٹ سنائی دی۔پہریداروں نے دروازے کے اندر لڑنے والوں کا صفایا کر کے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی لیکن اتنی دیر میں تاتاری سواروں کا ایک دستہ مار دھاڑ کرتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد اہلِ شہر مرو کے بازاروں میں پتھروں اور تیروں کی بارش کے باوجود دُشمن کے ان گنت سواروں کو گشت لگاتا دیکھ رہے تھے۔

آدھی رات تک شہر میں کہرام مچا رہا۔ تیسرے پہر تاتاریوں نے شہر کے چند اور دروازوں پر قبضہ کرلیا اور بہت سے محلوں میں آگ لگا دی گئی۔ صبح تک یہ آگ ایک وسیع رقبے میں پھیل چکی تھی۔ وہ لوگ جو آگ سے بچنے کے لیے مکانات سے باہر نکلتے۔ تاتاریوں کی تلواروں کا شکار ہوتے۔ پانچ دن تک شہر میں قیامت برپا رہی۔

چھٹے دن تاتاری مرو کے دروازوں پر اپنی فتح کی یادگاریں یعنی انسانی کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کر رہے تھے۔ یہ مینار گزشتہ تمام میناروں سے بلند تھے لیکن تاتاریوں کی لاشیں گننے کے بعد تولائی نے یہ کہا۔ ہم نے کسی بڑی سے بڑی جنگ میں بھی اس قدر نقصان نہیں اٹھایا۔ اور اس نقصان کی تلافی اس نے یوں کی کہ مرو میں ایک بہت بڑی چتا تیار کرائی۔ دو دو قیدیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ رسیوں سے جکڑ دیا جاتا پھر یکے بعد دیگرے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے۔ وہ تڑپتے اور تاتاری ناچتے اور قہقہے لگاتے ہوئے انہیں آگ میں دھکیل دیتے۔ کھوپڑیوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لیے حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کیے گئے۔ ایک حاملہ عورت نے چتا کے سامنے گر کر بچہ جن دیا اور تولائی نے کہا۔ دیکھو۔ دشمن کی عورتیں ہمارے مقابلے کے لیے ایک نئی فوج تیار کر رہی ہیں۔

ایک تاتاری نے آگے بڑھ کر بچے کے سر پر پاؤں رکھ کر مسلنے کی کوشش کی لیکن ماں ممتا موت کے سامنے بھی خاموش نہ رہ سکی۔ اس نے لڑکے کو پکڑ کر کلیجے سے لگا لیا۔ اسے بچے سمیت آگ میں دھکیل دیا گیا۔ وہ آخری دم تک اپنے جگر کے ٹکڑے کو بازوؤں میں چھپا چھپا کر آگ کے شعلوں سے بچانے کی کوشش کرتی رہی۔

ایک بارہ تیرہ سال کا لڑکا اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی بہن کی بے حرمتی

برداشت نہ کرسکا۔وہ دو تاتاری افسروں پر ٹوٹ پڑا اور ان میں سے ایک کو قتل کردیا ۔مقتول تولائی کے اپنے قبیلے کا آدمی تھا۔کمسن لڑکے کو تولائی کے سامنے پیش کیا گیا۔ چنگیز خان کی طرح تولائی کو بھی اپنے دشمن کی کمزوریاں اور خوبیاں پرکھنے کی عادت تھی۔اس نے لڑکے کو قریب بُلا کر کہا۔تم جانتے ہو ایک تاتاری افسر کے قتل کی سزا کیا ہے؟

لڑکے نے جواب دیا۔میں جانتا ہوں ،تمہاری عدالت میں مجرم اور بے گناہ ایک ہی چکی میں پیسے جاتے ہیں۔

ہم اگر تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں تو تم بڑے ہو کر ایک سپاہی بننے کے لیے تیار ہو جاؤ گے؟

تم ذلیل ہو۔میں اس جگہ مرنا قبول کروں گا۔

موت ایک تکلیف دہ چیز ہے!

لیکن مظلوم کے لیے نہیں۔ظالم کے لیے!

تولائی خان نے کہا۔اسے میرے سامنے پھانسی پر لٹکاؤ۔تم جانتے ہو پھانسی کتنی تکلیف دہ چیز ہے؟

بہادر لڑکے نے جواب دیا۔تم مجھے پھانسی دے سکتے ہو۔میری قوم کو پھانسی نہیں دے سکتے۔تمہارے نیزے ٹوٹ جائیں گے۔تمہاری تلواریں کند ہو جائیں گی۔تمھارے بازو شل ہو جائیں گے لیکن میری قوم کی رگوں میں خُونِ شہادت دوڑتا رہے گا۔

تولائی کے اشارے سے لڑکے کو بدترین جسمانی اذیتیں دے کر ذبح کیا گیا۔

اس شام تولائی خان اپنے چند مشیروں سے کہہ رہا تھا۔ہمیں ایک خطرناک دشمن سے

پالا پڑا ہے۔ جس قوم کی مائیں اس قسم کے بچے جن سکتی ہیں وہ دیر تک کسی کی غلام نہیں رہ سکتی۔ میں اس قسم کے بچوں کو جلال الدین سے کم خطرناک نہیں سمجھتا!

مرو کے ہر گھر کی تلاشی لی گئی۔ مکانوں کے زمین دوز کمروں میں چھپے ہوئے لوگوں کو نکال کر قتل کیا گیا۔ تولائی کو شہر کے غداروں نے دولت مند لوگوں کی فہرست تیار کر دی۔ انہوں نے زندگی سے مایوس ہو کر تمام خفیہ خزانے تاتاریوں کے سپرد کر دیے لیکن تاتاریوں کی تسلی نہ ہوئی۔ زیادہ مال برآمد کرنے کی کوشش میں تاتاریوں نے ان سب کو طرح طرح کی جسمانی اذیتیں دینے کے بعد ہلاک کر دیا اور اس کے بعد ان کے مکانوں کی دیواریں کھدوا کر دیکھی گئیں۔

مساجد، درس گاہوں اور کتب خانوں کو آگ لگا دی گئی۔ صرف چار سو آدمیوں کو جو فنونِ تعمیر اور اسلحہ سازی کے ماہر تھے۔ تاتاری زندہ پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے

۔

کوچ سے پہلے کسی نے تولائی کو بتایا کہ ابھی تک شہر میں کہیں کہیں زمین دوز مقامات پر مرد اور عورتیں چھپے ہوئے ہیں۔ تولائی نے دو ہزار سپاہیوں کو مرو میں ٹھہرا کر اچھی طرح دیکھ بھال کرنے کا حکم دیا اور ان سپاہیوں کے افسروں سے کہا۔ میں خانِ اعظم کو پیغام بھیج چکا ہوں کہ مرو سے ان چند آدمیوں کے سوا جنہیں ہم کارآمد سمجھ کر اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں، دشمن کا ایک فرد بھی جان بچا کر بھاگ سکا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے الفاظ غلط ثابت ہوں۔ اس لیے جب تک تمہاری تسلی نہیں ہو جاتی، تم تلاش جاری رکھو۔

ان سپاہیوں نے ایک مسجد کا موذن کسی زمین دوز حجرے سے گرفتار کر لیا اور اسے اذیتیں دے کر مسجد میں اذان دینے کے لیے مجبور کیا۔

اذان سن کر مسجد کے قریب و جوار کی زمین دوز پناہ گاہوں میں چھپے ہوئے لوگوں نے یہ سمجھا کہ تاتاری جا چکے ہیں۔ چنانچہ وہ باہر نکل آئے اور تاتاریوں نے انہیں قتل کر ڈالا۔

اسی طرح وہ ہر محلے میں اذان دلواتے اور باہر نکلنے والوں کو قتل کر ڈالتے۔ اس کے بعد گلی سڑی لاشوں کے تعفن سے شہر کی ہوا اس قدر مسموم ہو گئی کہ تاتاری وہاں کسی انسان کا زندہ رہنا ناممکن سمجھ کر چل دیے۔

(۲)

بغداد سے فرار ہو کر طاہر اور اس کے ساتھیوں نے مرو کا رُخ کیا۔ راستے میں ایران کے شہروں کے باشندے جو ایک مدت سے اپنی شکست کا اعتراف کر چکے تھے، اس کی رُوح پرور تقریروں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ہر نئی منزل پر رضا کاروں کی جماعتیں ان کے ساتھ شامل ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی۔ مرو سے سو کوس کے فاصلے پر طاہر نے مرو کی تباہی کی خبر سُنی اور جلال الدین کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے بعد جنوب مشرق کی طرف کوچ کیا۔

ایک دوپہر رضا کاروں کی یہ فوج مشرق کی دُشوار گزار پہاڑوں میں سے گزر رہی تھی۔ ہراول دستوں کی قیادت عبدالعزیز کے سپُرد تھی اور اس کی رہنمائی کے لیے ایک ایرانی نوجوان اس کا ہم رکاب تھا۔

ایک تنگ گھاٹی سے مُڑتے ہوئے ایرانی نوجوان نے ایک ہاتھ سے ٹھہرنے کا اشارہ کرتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے نیچے وادی کیطرف اشارہ کیا۔

عبدالعزیز نیچے دیکھتے ہی بلند آواز میں پکارا۔ ہوشیار!

سالاروں نے آن کی آن میں یہ پیغام فوج کے آخری سپاہی تک پہنچا دیا۔

طاہر اور عبدالملک قلب لشکر سے نکل کر گھاٹی کے موڑ پر پہنچے۔ کوئی ایک کوس چوڑی اور تین کوس لمبی وادی کے درمیان دو افواج میں گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ ایک ترک نے غور سے دیکھنے کے بعد کہا۔ تاتاری مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھیر چکے ہیں۔ وہ دیکھیے، عقب کی پہاڑی سے تاتاریوں کی مزید فوج اُتر رہی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد پانچ چھ ہزار سے زیادہ نہیں لیکن تاتاری سے تین چار گنا زیادہ ہیں اور عقب کے پہاڑوں سے مزید فوج میدان میں لا رہے ہیں۔ میرے خیال میں یہ تاتاریوں کی بڑی فوج کے ہراول دستے ہیں اور اس مختصر سی فوج کو اس طرح لڑانے والا سلطان جلال الدین کے سوا اور کوئی نہیں۔

طاہر نے کہا۔ تاتاریوں کا گھیر ان کے گرد تنگ ہو رہا ہے۔ تھوڑی دیر تک اگر زیادہ فوج پہنچ گئی تو ان کا بچ نکلنا ناممکن ہو جائے گا۔

ترک نے کہا۔ جلال الدین کے لیے کوئی بات ناممکن نہیں لیکن اس مرتبہ وہ بری طرح نرغے میں آ چکا ہے۔

طاہر کے ساتھی اس کی ہدایت کے مطابق چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم ہو کر مختلف راستوں سے نیچے اترے اور وادی کے سرے پر ایک چھوٹے سے ٹیلے کے عقب میں جمع ہو گئے۔ میدان میں بعض تاتاریوں نے انہیں دیکھ بھی لیا لیکن دُور سے انہوں نے یہی سمجھا کہ وہ ان کی کمک کے طوفانی دستے ہیں۔

عین اس وقت جب کہ تاتاری سخت ترین حملہ کر چکے تھے، ان کا ایک سالار تازہ دستوں کو ہدایات دینے کے لیے میدان سے نکل کر گھوڑا بھگاتا ہوا اس ٹیلے کی طرف بڑھا لیکن قریب پہنچ کر اس نے اپنی آواز کے جواب میں اللہ اکبر کا نعرہ سنا۔

اس کے ساتھ ہی ایک تیر اس کے سینے میں لگا۔چھپی ہوئی فوج دو حصوں میں تقسیم ہو کر ٹیلے کے گرد چکر لگاتی ہوئی میدان میں آ گئی ۔تاتاریوں کے ہوشیار ہونے سے پہلے تین ہزار سواروں کے نیزے ان کے سینوں تک پہنچ چکے تھے ۔

تاتاریوں کے پاؤں ایک بار اکھڑے اور پھر انہیں سنبھلنے کی مہلت نہ ملی ۔

اس سے قبل جلال الدین کوئی چالیس آدمیوں کو اپنے ہاتھ سے موت کی نیند سلا چکا تھا۔اس کے اعضا شل ہو چکے تھے ۔اپنی فتح کا یقین ہوتے ہی وہ میدان سے ایک طرف ہٹ کر گھوڑے سے اُترا اور ایک چھوٹی سے چٹان پر چڑھ کر ایک پتھر کے سائے میں بیٹھ گیا۔

ہانپتے ہوئے اس نے اپنا خود اُتار کر ایک طرف رکھ دیا ۔رومال کے ساتھ چہرے کا پسینہ پونچھا اور کمان اٹھا کر بھاگتے ہوئے تاتاریوں پو تیر برسانے لگا۔وہ حیران تھا کہ اس کے نئے مددگار کون ہیں!

تاتاری میدان میں دس ہزار لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگ نکلے ۔سپاہی شہیدوں کو دفن کرنے اور زخمیوں کی مرہم پٹی میں مصروف ہو گئے ۔

طاہر نے گھوڑے سے اُتر کر خود اتارا اور ایک ترک سے سوال کیا:سلطان کہاں ہے؟

اس کے جواب میں فوج کا ایک افسر گھوڑے سے اتر کر اس کے ساتھ لپٹ گیا ۔طاہر! طاہر!! آخر تم آ گئے میں حیران تھا کہ خدا نے آج ہمارے لیے یہ مددگار کہاں سے بھیج دیے ۔تم سے مجھے یہی توقع تھی ۔

تیمور ملک؟ طاہر نے خود کے اندر سے جھانکنے والی آنکھوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

ہاں میں! اس نے خود اتار کر ایک سپاہی کے ہاتھ میں دے دیا۔ تیمور ملک کا نام سُن کر طاہر کے ساتھی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ طاہر نے عبدالعزیز، عبدالملک، مبارک اور اپنی فوج کے افسروں کا تعارف کرایا۔

تیمور ملک نے گرم جوشی سے ان کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا: "میں آپ کے ساتھیوں کا خیر مقدم کرتا ہوں"

عبدالعزیز نے سوال کیا۔ سلطان کہاں ہے؟

سلطان کہاں ہے؟ یہ تیمور ملک نے چند افسروں کی طرف دیکھتے ہوئے یہ سوال دہرایا۔

سُلطان کہاں ہے؟ وہ ایک دوسرے سے حیران ہو کر پوچھ رہے تھے۔

ایک افسر نے چٹان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ اُوپر ایک پتھر کے سائے میں بیٹھے ہوئے ہیں

آئیے۔ میں آپ کو ان سے ملواتا ہوں!

طاہر کے چند دوست اور سلطان کی فوج کے چند افسر چٹان پر چڑھے۔

سلطان ایک پتھر پر سر رکھ کر گہری نیند سو رہا تھا۔

تیمور ملک نے اس کا بازو پکڑ کر جگانے کی کوشش کی لیکن طاہر نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے روک دیا۔ نہیں ایسے سپاہی کی نیند بہت قیمتی ہے۔ خُدا معلوم کتنے دنوں کے بعد سوئے ہیں۔

تیمور ملک نے کہا۔ تولائی خان کی فوج یہاں سے صرف چار منازل کے فاصلے پر ہے۔ ہمیں جلدی کوچ کرنا ہے۔

عالی جاہ! اُٹھیے۔! تیمور ملک نے اس کا بازو پکڑ کر آہستہ سے ہلاتے ہوئے کہا

۔

جلال الدین نے آنکھیں کھولیں اور اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ تیمور! کبھی تو مجھے آرام کرنے دیا کرو۔

عالی جاہ! تولائی خان کا لشکر ہم سے زیادہ دور نہیں ۔

تو تمہارے خیال میں مجھے اس بات کا خیال نہیں تھا۔ مجھے کئی دنوں کے بعد ایک پہر آرام کے لیے ملا تھا۔ وہ بھی تم نے ضائع کر دیا۔ مجھے پانی پلاؤ۔

ایک افسر نے اپنی چھاگل پیش کی۔ جلال الدین پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد اٹھ کھڑا ہو گیا۔ طاہر اور اس کے ساتھیوں نے اس سے زیادہ بارُعب شخصیت پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ وہ سچ مچ ایک چٹان تھا۔

سلطان نے پوچھا۔ یہ فوج کہاں سے آئی؟

تیمور ملک نے جواب دیا۔ بغداد سے!

بغداد سے؟ تو خدا نے میری دُعائیں سُن لیں۔ اب ہم دنیا کی ہر طاقت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اگر بغداد کے لوگ بیدار ہو گئے تو مجھے یقین ہے کہ تمام عالمِ اسلام جاگ اٹھے گا اور ہم زمین کے آخری کونے تک اس وحشی قوم کا مقابلہ کر سکیں گے۔

سلطان آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔

اس فوج کا سالار کون ہے؟

تیمور ملک نے طاہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ ان کا نام طاہر بن یوسف ہے۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے قوقند سے فرار ہوتے وقت میری جان بچائی تھی۔ میں آپ کو بتایا تھا کہ بغداد میں ایک نوجوان ہمارے لیے بہت کچھ کر رہا ہے۔ یہ

وہی ہے!

جلال الدین نے طاہر کے ساتھ نہایت گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا ۔عقابوں کی دنیا میں آرام نشیمن نہیں ہوتے ۔میرے ساتھ رہتے ہوئے آپ کو ایسی چٹانوں پر سونے کا عادی ہونا پڑے گا ۔میں اس جگہ بیٹھ کر آپ کی لڑائی کا ڈھنگ دیکھ رہا تھا ۔آپ کے بعض سپاہیوں کو سخت تربیت کی ضرورت ہے ۔چند جانیں صرب بے فائدہ جوش کی وجہ سے ضائع ہوئیں ۔ایک نوجوان سے متاثر ہوا ہوں ۔وہ بالکل ایک عرب کی طرح لڑ رہا تھا ۔اس کا گھوڑا آدھا سفید اور آدھا سیاہ تھا اور پچھلی ٹانگ میں تیر لگنے کی وجہ سے وہ تھوڑا تھوڑا لنگڑا بھی رہا تھا ۔میں اسے شاباش دینا چاہتا ہوں ۔

تیمور ملک نے کہا ۔وہ یہی ہیں ۔میں ان کا گھوڑا دیکھ چکا ہوں ۔

جلال الدین نے کہا ۔میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں اور اپنے تین بہترین گھوڑوں میں سے ایک آج تمہیں دوں گا ۔

تیمور ملک نے کہا ۔طاہر! تم کتنے خوش نصیب ہو ۔سلطان صلاح الدینؒ نے تمہارے باپ کو اپنی تلوار دی تھی اور خوارزم کے مجاہد اعظم نے تمہیں اپنا گھوڑا دیا ہے ۔

جلال الدین نے کہا ۔سلطان الدین ایوبیؒ کی تلوار؟

ہاں! ان کے باپ کو صلاح الدینؒ نے بہادری کے صلے میں اپنی تلوار دی تھی ۔کیوں طاہر ہو تلوار اپنے ساتھ لائے ہو یا اس دفعہ بھی بغداد میں چھوڑ آئے ہو؟

طاہر نے جواب دیا ۔وہ تلوار میرے پاس ہے اور میں نے آج اسے پہلی بار استعمال کیا ہے ۔

جلال الدین نے کہا۔ میں دیکھ سکتا ہوں؟

طاہر نے تلوار نکال کر پیش کر دی۔ سلطان نے دستے پر صلاح الدین ایوبیؒ کا نام دیکھ کر تلوار کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ خوش نصیب ہے وہ بیٹا جس کے باپ نے اتنا بڑا انعام حاصل کیا تھا۔ کاش میرا باپ بھی خوارزم کا شہنشاہ ہونے کے بجائے اس اولوالعزم مجاہد کی فوج کا ایک سپاہی ہوتا اور میں بھی تمہاری طرح اس پر فخر کر سکتا ہوں۔

طاہر نے کہا۔ اگر آپ قبول فرمائیں تو میں یہ تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں

شکریہ! لیکن میں اس کا مستحق نہیں اور میں آج یہ دیکھ چکا ہوں کہ تم اس کا حق ادا کرنا جانتے ہو۔ سلطان نے یہ کہتے ہوئے تلوار واپس کر دی۔

(۳)

فوج کوچ کے لیے تیار ہوئی سلطان نے کہا۔ طاہر! تم بغداد کی طرف ہماری رہنمائی کرو گے؟

بغداد؟ طاہر نے حیران ہو کر سوال کیا۔

ہاں بغداد۔ خلیفہ کے طرزِ عمل میں اس غیر متوقع تبدیلی کے بعد مجھ پر فرض عاید ہوتا ہے کہ خود ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی رہی سہی غلط فہمیاں دور کر دوں۔ مجھے امید ہے کہ وہاں چند دن قیام کر کے ہم مصر و شام اور عرب کے ممالک کی اعانت سے ایک بہت بڑی فوج تیار کر سکیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو روانہ کرنے سے پہلے خلیفہ نے تاتاریوں کے خلاف اعلانِ جہاد کر دیا ہوگا۔

طاہر نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی۔ بغداد سے میرے

ساتھ آنے والے رضا کاروں کو حکومت باغی قرار دے چکی ہے۔ میں خود قید خانے سے فرار ہو کر آیا ہوں۔ بغداد سے صرف ایک ہزار آدمیوں نے میرا ساتھ دیا تھا اور یہ باقی رضا کار ہمارے ساتھ راستے کے شہروں میں شامل ہوئے ہیں۔

سلطان نے اپنے ہونٹوں پر ایک مغموم مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میری دعا ابھی تک قبول نہیں ہوئی لیکن میں مایوس نہیں۔ تمہاری آمد اس بات کا ثبوت ہے کہ باہر کے مسلمان ہمارے مصائب کے متعلق بے پروا نہیں۔ وہ وقت آئے گا کہ تمام عالمِ اسلام اس فتنہ عظیم کے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑا ہو گا اور میں اس وقت تک اپنا فرض ادا کرتا رہوں گا۔ جہاں تک ہو سکے گا میں عالمِ اسلام کی حفاظت کو بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھاتا رہوں گا۔ جب تک تاتاریوں کے گھوڑے میری لاش کے اُوپر سے نہیں گزر جاتے، میں ہر قدم پر ان کا مقابلہ کروں گا۔ میں دنیا میں یہ ثابت کر دکھاؤں گا کہ جو جماعت خود مٹنے کا ارادہ نہیں کرتی، اسے کوئی مٹا نہیں سکتا۔ میں اسلام ممالک کے ہر حکمران کے محل کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ میں دنیائے اسلام کے دور افتادہ ممالک میں سونے والے سپاہیوں کو جگاؤں گا اور مجھے یقین ہے کہ میری آواز صدا الصحرا ثابت نہ ہوگی۔ تیمور! لشکر کو کوچ کا حکم دو۔ ہماری منزل مقصود افغانستان ہے۔

طاہر تیمور کی زبانی ہرات اور بلخ کی عبرت ناک تباہی کا حال سُن چکا تھا۔ تیمور ملک نے اس کی تشویش کی وجہ معلوم کرنے کے بعد اسے یہ تسلی بھی دی کہ شہر کی بیشتر آبادی حملے سے پہلے ہجرت کر چکی تھی۔

فوج میں بلخ کے کئی آدمی تھے۔ طاہر کے استفسار پر ان سب نے بتایا کہ شیخ عبد الرحمٰن اپنے مال و متاع کے ساتھ بلخ پر حملے سے کئی ہفتے پہلے رفو چکر ہو چکا تھا۔

تاہم طاہر ہر منزل کے بعد تیمور ملک سے یہ کہتا کہ میں بلخ ضرور جاؤں گا اور تیمور ملک ہر بار یہ جواب دیتا کہ وہاں گلی سڑی لاشوں اور جلے ہوئے مکانات کے سوا کچھ نہ پاؤ گے۔ شہر کی ناقابلِ برداشت بدبو تمہیں دو کوس کے فاصلے سے واپس دھکیل دے گی۔

جلال الدین کو طاہر کی تشویش کا علم ہوا تو اس نے بلخ کے تمام سپاہیوں کو شیخ عبدالرحمٰن کے متعلق اپنی معلومات بیان کرنے کا حکم دیا۔ اتفاقاً ایک شخص ایسا نکل آیا جس کا بھائی شیخ عبدالرحمٰن کے پاس ملازم تھا۔ اس نے بتایا کہ شیخ حملے سے چار ہفتے پیشتر اپنے گھر کے تمام افراد کے ساتھ بلخ چھوڑ چکا تھا اور رخصت کے وقت اسے اپنے بھائی سے معلوم ہوا تھا کہ سردست شیخ کی منزل غزنی تھی۔ اس کے بعد وہ شاید کسی اور شہر کا رخ کرے۔

سلطان نے طاہر کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ تقدیر کے راستے اچانک ایک دوسرے سے آملتے ہیں۔ ہم مرو کی طرف جا رہے تھے لیکن اب شاید تمہاری وجہ سے ہماری منزلِ مقصود بھی غزنی ہے۔

راستے میں چند مقامات پر تاتاریوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں نے جو سلطان کی تلاش میں دن رات ایک کر رہی تھیں، مزاحمت کی لیکن سلطان انہیں تہ تیغ کرتا ہوا غزنی پہنچ گیا۔

غزنی میں امین الملک نے ۵۰ ہزار سپاہیوں کے ساتھ سلطان کا استقبال کیا۔ چند دنوں میں سیف الدین اغراق بھی چالیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ آملا۔ اس کے بعد افغانستان کے ملک اور سردار یکے بعد دیگرے اپنی اپنی جمعیت کے ساتھ غزنی پہنچنے لگے۔

(۴)

غزنی پہنچ کر طاہر کو پتہ چلا کہ شیخ عبدالرحمٰن وہاں دو ہفتے ٹھہر کر ہندوستان کا رُخ کر چکا ہے۔ غزنی کے ایک تاجر نے جس کے ساتھ شیخ کے کاروباری تعلقات تھے، یہ بھی بتایا کہ شیخ موجودہ دور میں صرف مدینے کو محفوظ سمجھتا تھا اور اس نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ عنقریب بچوں کو مدینے پہنچا دے گا۔

طاہر کے لیے یہ اطمینان کافی تھا کہ وہ خطرے سے بہت دور ہے، اس کی تمام توجہ اب جنگ کی طرف مبذول ہو گئی۔ غزنی کی مسجد میں چند تقریروں کے بعد اس نے لوگوں میں ایک نئی رُوح پھونک دی۔ افغانستان کے علماء پہلے ہی جہاد کا فتویٰ دے چکے تھے۔ اب وہ طاہر کی اپیل پر دُور دراز کا دورہ کر کے لوگوں کو جہاد پر آمادہ کرنے لگے۔ ایک جمعہ کو طاہر کے بعد عبدالملک نے بھی تقریر کی۔ اس کی تقریر جس قدر مختصر تھی اس قدر موثر تھی۔ اگلے دن سلطان نے غزنی کے چیدہ چیدہ علماء کے دو دو وفد بنا کر طاہر اور عبدالملک کو ان کے ساتھ آس پاس کے علاقوں میں جہاد کی تبلیغ کے لیے بھیج دیا۔

غیور افغان جہاد کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے جوق در جوق سلطان کی فوج میں شامل ہونے لگے۔ اس دورے میں طاہر، عبدالملک سے زیادہ کامیاب رہا اور اس کی وجہ ایک تو اس کی قوتِ بیان تھی اور دُوسری وجہ یہ تھی کہ اس کے پاس ایک ایسے مجاہد کی تلوار تھی جس کی بہادری کی داستانیں ان کے دلوں پر نقش تھیں۔

افغان دنیائے اسلام کے ہر جلیل القدر سپاہی کو اپنا عزیز دوست خیال کرتے تھے۔

سلطان جلال الدین نے اپنی قوت کا اندازہ لگانے کے بعد چنگیز خان کو جوان

دنوں طالقان میں موجود تھا، چند تاتاری قیدیوں کی معرفت یہ پیغام بھیجا: تم نے بے خبری کی حالت میں ہم پر حملہ کیا۔ تم نے طاقت سے زیادہ عیاری اور مکاری سے ہمارے شہر فتح کیے۔ تمہارے سپاہی ایک مدت سے میری تلاش میں سرگرداں ہیں۔ میں اس وقت افغانستان میں ہوں اور تمہیں مقابلے کی دعوت دیتا ہوں اور تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس دفعہ تمہاری تلواروں کے سامنے بے کس عورتوں اور بچوں کی گردنوں کی بجائے تلواریں ہوں گی۔ اگر ہمت ہے تو مقابلے کے لیے آجاؤ۔

چنگیز خان نے شیگی توتو کو ایک زبردست فوج کے ساتھ جلال الدین کے مقابلے کے لیے بھیج دیا۔ سلطان نے غزنی سے چند کوس آگے نکل کر اس کا مقابلہ کیا۔ تین دن تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ ترکوں اور افغانوں نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بہادری کے جوہر دکھائے، چوتھے دن تاتاریوں کے پاؤں اکھڑ گئے سلطان کئی کوس تک ان کا تعاقب کرنے کے بعد انہیں گھیر کر ایک ایسے علاقے میں لے آیا۔ جہاں تنگ پہاڑی راستے پر اس نے اپنے بہترین تیرانداز بٹھا رکھے تھے۔ شیگی توتو کی بہت تھوڑی فوج یہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوئی لیکن سلطان نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور دریائے کابل تک تعاقب کیا۔ شیگی توتو نے دریا میں کود کر جان بچائی۔ تیروں کی بارش میں جب وہ دوسرے کنارے پر پہنچا تو اس کے ساتھ صرف آٹھ آدمی تھے۔

افغانستان میں جلال الدین کی اس فتح کی خبر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ پھیل گئی۔ چنگیز خان کو اس شکست کی خبر کے ساتھ ہی یہ خبر بھی ملی کہ کوہِ ہندوکش سے لے کر دریائے مرغاب کے ساحل تک تمام قبائل کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور انہوں نے تاتاریوں کی ہر چوکی کے سپاہیوں کو صفایا کر دیا ہے۔ چنگیز خان نے پہلی

بار صرف ایک محاذ پر اپنی تمام قوت جمع کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ زبردست تیاری کے بعد اس نے بلخ اور ہرات کے درمیان ایک وسیع علاقے کو تباہ و برباد کرنے کے بعد دریائے مرغاب کے کنارے پر پڑاؤ ڈال دیا اور فرغانہ سے لے کر آذربائیجان تک بکھری ہوئی افواج کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ چنگیز خان کو اپنی فتح کا پورا یقین نہ تھا اور اسے یہ خدشہ تھا کہ اگر اسے شکست ہوئی تو مفتوحہ ممالک کے تمام وہ لوگ جو ابھی تک تاتاریوں کے مظالم کی وجہ سے سہمے ہوئے ہیں۔ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور جلال الدین زمین کے آخری کونے تک اس کا تعاقب کرے گا۔

(۵)

لیکن قدرت کو شاید جلال الدین کے عزم و استقلال کا ایک اور امتحان مقصود تھا۔ مستقبل کے افق پر ایک ہلکی سی روشنی دیکھنے کے بعد اسے پھر ایک بار ادبار کی گھٹائیں نظر آنے لگیں۔ ایک افسوس ناک حادثے نے شیر خوارزم کی شاندار فتح شکست میں تبدیل کر دی۔ شیگی تو تو کی شکست کے بعد جو مالِ غنیمت سلطان کے ہاتھ آیا۔ اس میں ایک خوبصورت گھوڑا بھی تھا۔ اس گھوڑے پر امین الدین **ملک** اور سیف الدین اغراق میں تکرار ہوگئی۔ سیف الدین کے منہ سے کوئی سخت جملہ نکل گیا اور امین الدین نے غصے میں آکر اسے چابک رسید کر دیا۔ سیف الدین کے بھائی نے فوراً تلوار کھینچ لی اور امین **ملک** پر حملہ کر دیا لیکن امین کی فوج کے ایک افسر نے پیچھے سے تلوار مار کر اس کا سر قلم کر دیا۔

فوج کے دو بہادر سرداروں کے درمیان جنگ ناگریز ہوگئی۔ سیف الدین اغراق کے چالیس ہزار اور امین الدین **ملک** کے پچاس ہزار ایک دوسرے کے

سامنے صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

سلطان کو اپنے خیمے میں یہ خبر ملی تو وہ بھاگ کر باہر نکلا اور ان کے درمیان جا کھڑا ہوا۔ دونوں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ افغانستان کے ملک اور علماء بھی ان دو افواج کے درمیان قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ سلطان کے حکم پر امین الدین ملک معذرت خواہی کے لیے تیار ہو گیا لیکن سیف الدین کے لیے اپنے بھائی کا قتل معمولی بات نہ تھی۔ اس کا پہلا اور آخری مطالبہ یہی تھا کہ امین ملک کو اس کے حوالے کیا جائے۔ سلطان کو ایک طرف یہ احساس تھا کہ امین ملک پر سختی کی گئی تو اس کے پچاس ہزار سپاہی اس کا ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ دوسری طرف سیف الدین کے ناراض ہو جانے کی صورت میں اسے چالیس ہزار ترکوں کے بگڑ جانے کا خطرہ تھا۔

مصالحت کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ سیف الدین کو سلطان کی نیت پر اس لیے بھی شبہ ہوا کہ امین ملک اپنی لڑکی سلطان کے عقد میں دے چکا تھا۔ اس نازک موقع پر نہ علماء کی منتیں کارگر ثابت ہوئیں اور نہ طاہر اور عبدالملک کی تقریروں کا کوئی اثر ہوا۔

سیف الدین نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ ہم تاتاریوں کے مقابلے میں سلطان کی مدد کے لیے آئے ہیں۔ سلطان کے خسر سے بے عزتی کروانے کے لیے تیار نہیں۔ چنانچہ رات کے وقت اس نے اپنے چالیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ کرمان کی طرف کوچ کر دیا۔ سلطان کا ایک مضبوط بازو ٹوٹ گیا۔

جلال الدین کے لشکر میں پھوٹ کی خبر سنتے ہی چنگیز خان بادوباراں کی طرح غزنی کی طرف بڑھا۔ سلطان نے غزنی سے کئی منازل آگے جا کر پڑاؤ ڈال دیا اور

چنگیز خان کے راستے کی ہر پہاڑی، ہر گھاٹی ہر درے اور ہر ندی کے پل پر چھاپہ مار سپاہیوں کے پہرے بٹھا دیے۔

چنگیز خان کے ساتھ ایک بے پناہ قوت تھی۔ وہ راستے کی ہر مشکل پر قابو پاتا، مزاحمت کی ہر چٹان کو سرنگوں کرتا اور قدم قدم پر اپنے سپاہیوں کی لاشوں کے انبار چھوڑتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

جلال الدین کے چھاپہ مار سپاہی اچانک کسی پہاڑی پر نمودار ہوتے اور اس کی فوج کے کسی حصے پر تیروں کا مینہ برسا کر غائب ہو جاتے۔

جلال الدین کسی ایک میدان میں فیصلہ کن جنگ لڑنے کا فیصلہ نہ کر سکا۔ چنگیز خان کی ٹڈی دل افواج کے ساتھ اس کے معمولی لشکر کو کوئی نسبت نہ تھی۔ دوسرے چالیس ہزار ترکوں کے نکل جانے سے اس کے نئے ساتھیوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ صرف پندرہ بیس ہزار سپاہی ایسے تھے جن کے متعلق اسے یقین تھا کہ وہ فتح و شکست سے بے نیاز ہو کر آخری دم تک لڑیں گے۔ باقی فوج کے متعلق اس کا خیال تھا کہ وہ ایک بار پسپا ہونے کے بعد پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے گی۔

اس نے فوج کا بیشتر حصہ امین الملک اور تیمور ملک کے سپرد کیا اور اپنے پرانے جان نثاروں کے طوفانی دستوں کیساتھ آگے بڑھ کر چنگیز خان کی فوج کے ہر اول کو شکست دی اور قریباً پانچ ہزار سپاہی تہ تیغ کر دیے۔

جب چنگیز خان ہر اول کے سالاروں کو لعنت ملامت کر رہا تھا تو اسے یہ خبر ملی کہ جلال کے طوفانی دستوں نے پہاڑیوں کے عقب سے ایک لمبا چکر کاٹ کر عقبی دستوں پر حملہ کر دیا ہے اور رسد کا بہت سا سامان لوٹ لیا ہے۔

مٹھی بھر جماعت کے ساتھ جلال الدین کی ان کامیابیوں نے اس کی فوج

میں پھر ایک نئی روح پھونک دی لیکن تاتاریوں کی قوت کا صحیح اندازہ کرنے کے بعد جلال الدین نے یہ فیصلہ کیا کہ دریائے سندھ تک پیچھے ہٹتا جائے گا اور اس دوران میں اسے ایک تو مزید تیاری کا موقعہ مل جائے گا دوسرے عقب سے چھاپہ مارنے والی فوجیں آئے دن تاتاریوں کے نقصانات میں اضافہ کر کے انہیں پہاڑوں کے اس لامتناہی سلسلے میں اور آگے بڑھنے کا فیصلہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دیں گی اور پسپائی کی صورت میں چنگیز خان کا انجام شگی تو تو سے مختلف نہ ہو گا۔

صحرائے گوبی کا گرگ باراں دیدہ ان خطرات سے بے خبر نہ تھا۔ اسے معلوم تھا کہ شیر خوارزم اسے اپنی خطرناک کچھار میں لا رہا ہے۔ لیکن آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹنا زیادہ خطرناک سمجھتے ہوئے اس نے قدم قدم پر سخت ترین نقصانات کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنی رفتار تیز کر دی۔

جلال الدین نے امین ملک اور تیمور ملک کو حکم دیا کہ وہ فوراً مستقر کو چھوڑ کر اپنی فوجیں مشرق کی طرف لے جائیں اور خود آٹھ ہزار جانبازوں کے ساتھ تاتاریوں کی رفتار کم کرنے کی تدابیر سوچنے لگا۔

ایک صبح تاتاری جب سورج کے سامنے سربسجود تھے، جلال الدین نے ایک پہاڑ کے عقب سے نمودار ہو کر ان کے لشکر کے بائیں بازو پر حملہ کر دیا اور جب تک دوسری وادی سے قلب لشکر کے سپاہی بائیں بازو کی فوج کی مدد کے لیے پہنچے جلال الدین تین ہزار تاتاریوں کو موت کی گھاٹ اتار کر پہاڑیوں میں غائب ہو چکا تھا۔ چنگیز خان نے جلال الدین کا پیچھا کرنے کی بجائے ہراول دستوں کو امین اور تیمور ملک کی قیادت میں پیچھے ہٹنے والی فوج کا پیچھا کرنے کا حکم دیا اور باقی لشکر کی رفتار بھی تیز کر دی۔ جلال الدین کو ایک اور موقع ہاتھ آیا اور اس نے دوپہر کے وقت

عقب میں نمودار ہو کر رسد کے دستوں پر حملہ کر دیا لیکن عقب کی افواج رُک کر مقابلہ کرنے کی بجائے مدافعانہ جنگ لڑتی ہوئی آگے بڑھتی گئیں۔ جلال الدین نے رسد کا سامان سے لدے ہوئے خچر منتشر کر دیے اور دور تک تاتاریوں کا پیچھا کر کے ان پر تیر برساتا رہا۔ بالآخر تیسرے پہر اس نے فوج کو رُکنے کا حکم دے کر ایک افسر سے کہا۔ خدا خیر کرے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ امین ملک حماقت کر بیٹھا ہے، اس نے تاتاریوں کے ہراول دستے دیکھ کر میرے حکم کے خلاف ان کے ساتھ لڑائی شروع کر دی ہے۔ ورنہ عقب میں میرے حملے کے باوجود تاتاریوں کے نہ رکنے کی وجہ اور کیا ہو سکتی ہے۔

ترک افسر نے جواب دیا۔ امین ملک اتنا بے وقوف نہیں اور اگر ہو بھی تو تیمور ملک جیسا جہاں دیدہ سپاہی اس کے ساتھ ہے۔

سلطان نے کہا۔ لیکن تاتاری سامانِ رسد کے ایک خچر کو سو سپاہیوں سے زیادہ قیمتی سمجھتے ہیں۔ آج انہوں نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ اس سے دو ہی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ امین ملک نے یا تو ان کے ساتھ لڑائی شروع کر دی ہے اور یا وہ ان کے نرغے میں آ چکا ہے۔ ہمیں ان کی مدد کو فوراً پہنچنا چاہیے!

(۶)

جلال الدین کے خدشات صحیح ثابت ہوئے۔ چنگیز خان کے ہراول کے چند دستوں نے قریباً بیس کوس یلغار کرنے کے بعد امین ملک کے لشکر کو جا لیا۔ امین ملک نے یہ سمجھ کر ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور پیچھے جلال الدین کے حملوں کے باعث چنگیز خان اتنی بڑی فوج کے ساتھ نہایت معمولی رفتار سے پیش قدمی کر رہا ہو گا، فوج کو ٹھہرنے کا حکم دے کر ان پر حملہ کرنا چاہا لیکن تیمور ملک نے اس ارادے کی مخالفت

کی اور اسے سمجھایا کہ ہراول کو اس قدر تیزی سے آگے بھیجنے سے چنگیز خان کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا ہمارے ساتھ لڑائی چھیڑ کر ہمیں تاتاریوں کے باقی لشکر کی آمد تک مصروف رکھا جائے۔ بہتر یہ ہو گا کہ آپ مجھے دو ہزار سواروں کے ساتھ ان دستوں سے نپٹنے کے پیچھے چھوڑ دیں اور اپنی پسپائی جاری رکھیں۔

لیکن امین ملک نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور پیچھے مڑ کر تاتاریوں پر حملہ کر دیا تاتاری تھوڑی دیر مقابلہ کرنے کے بعد بھاگ نکلے۔ امین ملک نے لشکر کو دوبارہ کوچ کا حکم دیتے ہوئے تیمور ملک سے کہا۔ دیکھا آپ نے، مجھے یقین تھا کہ یہ چنگیز خان کے ہراول دستے نہیں بلکہ کسی طرف سے کوئی اور گروہ اس طرف آ نکلا ہے، چنگیز خان کی فوج نے بڑی تیزی سے کام لیا ہو گا تو بھی ہم سے دس کوس دُور ہو گی۔

تیمور ملک نے جواب دیا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کا خیال صحیح ہو لیکن ہمیں جلدی کرنی چاہیے۔

امین ملک نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا لیکن اچانک اسے قریباً تین ہزار تاتاری ایک پہاڑی سے وادی کی طرف اترتے ہوئے دکھائی دیے۔ اس دفعہ تیمور ملک نے اسے سختی سے روکنے کی کوشش کی لیکن جس قدر تیمور ملک کے شکوک پختہ ہو چکے تھے، اسی قدر امین ملک کا یہ یقین پختہ ہو چکا تھا کہ یہ مختصر سی فوج کسی اور طرف سے آ نکلی ہے اور اس کا چنگیز خان کی باقاعدہ فوج کے ساتھ کوئی تعلق نہیں جو اس کے خیال کے مطابق ابھی کوسوں دُور تھی۔ امین ملک نے تیمور ملک کے خدشات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے پھر تاتاریوں پر حملہ کر دیا اور چند لمحات کے اندر اندر انہیں روند ڈالا لیکن ان کی تعداد کم ہونے کی بجائے بڑھتی گئی۔ پہاڑیوں سے ان کے نئے دستے جوق در

جوق اتر کر وادی میں داخل ہونے لگے۔ قریباً ایک پہر لڑنے کے بعد امین ملک نے دیکھا کہ دشمن کی صفوں میں دس بارہ ہزار سپاہی جمع ہو چکے ہیں اور اس نے پریشان ہو کر تیمور ملک سے سوال کیا۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

تیمور ملک نے غصے سے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ اب ہم کر ہی کیا سکتے ہیں؟ چنگیز خان کے ہراول کی تمام فوج اس وادی کے ارد گرد جمع ہو چکی ہے۔ آس پاس کی تمام پہاڑیوں سے انہیں مار بھگائے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ کاش! آپ میرا مشورہ قبول کرتے لیکن اب غلطیوں پر اظہار افسوس کا موقع نہیں، تلافی کا موقع ہے۔

تو آپ رہنمائی کیجئے۔ مجھے اب ایک سپاہی سمجھے!

تیمور ملک نے امین کو تیس ہزار سپاہی دے کر آس پاس کی پہاڑیوں پر قبضہ کرنے کے لیے کہا اور خود باقی فوج کے ساتھ وادی میں اترنے والی افواج کے مقابلے پر ڈٹ گیا۔ عصر کے قریب یہ وادی اور آس پاس کی پہاڑیاں تاتاریوں سے خالی ہو رہی تھیں لیکن اس عرصے میں چنگیز خان کی باقاعدہ فوج پہنچ گئی۔ امین ملک نے اپنے تیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ ایک پہاڑی سے اُتر کر دوسری وادی میں چنگیز خان کے لشکر کے دائیں بازو پر حملہ کر دیا اور اس کا یہ حملہ فتح کی خواہش سے زیادہ اپنی غلطی کی تلافی کے لیے تھا۔

دوسری وادی میں جہاں تیمور ملک لڑ رہا تھا۔ چنگیز خان مقدمتہ الجیش کے ساتھ خود پہنچ گیا۔ تیمور ملک نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن تھوڑی دیر چنگیز خان کے میسرہ کی فوج بھی اس وادی میں داخل ہو چکی تھی۔ تیمور ملک شام کی تاریکی سے فائدہ اٹھانے کی امید میں لڑتا رہا۔

دوسری وادی میں امین ملک کے پاؤں اکھڑ چکے تھے لیکن اچانک جلال الدین کے پہنچ جانے سے بچے کھچے سپاہیوں نے بھاگ نکلنے کا ارادہ ترک کر دیا اور جان توڑ حملے کرنے لگے۔ جلال الدین نے چند حملوں میں میدان صاف کر دیا اور امین ملک کے قریب جا کر سوال کیا۔ مجھے تمہاری حماقت کی سزا ملی ہے یا قدرت نے میری بدقسمتی میں اضافہ کرنے کے لیے تیمور ملک جیسے جہاں دیدہ سپاہی کے دماغ میں بھی جنون کے آثار پیدا کر دیے ہیں؟

امین ملک نے ندامت سے سر جھکا کر جواب دیا۔ یہ میرا قصور ہے، تیمور ملک نے مجھے منع کیا تھا۔ میں نے اسکا کہنا نہ مانا۔ مجھے یقین تھا کہ تاتاری بہت دور ہوں گے۔

خدا ہر انسان کو تمہارے جیسے احمقوں کی دوستی سے محفوظ رکھے۔ اب میں تمہیں ایک کام سونپتا ہوں۔ تم فوراً غزنی کی طرف روانہ ہو جاؤ اور میرے بیوی بچوں کو لے کر کسی محفوظ مقام کی طرف نکل جاؤ۔ اہل شہر کو بھی یہ مشورہ دو کہ وہ ہندوستان کی سرحد کی طرف نکل جائیں۔

جلال الدین نے اس وادی میں رہی سہی فوج کو منظم کر کے چند پہاڑیاں عبور کرنے کے بعد تیمور ملک سے نبرد آزما ہونے والی فوج پر حملہ کر دیا اور تیمور ملک کے ارد گرد گھیرا ڈالنے والی صفوں کو درہم برہم کرتا ہوا اس کی فوج کے ساتھ جا ملا۔ جب شام کی بڑھتی ہوئی تاریکی میں کسی کو دوست اور دشمن کی تمیز نہ رہی۔ جلال الدین ایک طرف زوردار حملوں سے میدان خالی کرتا ہوا قریباً آٹھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ وادی سے نکل گیا لیکن چنگیز خان کے حکم سے تاتاریوں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ رات کے وقت اس کے کئی سپاہی گھوڑے زخمی ہونے کی وجہ سے پیچھے رہ گئے اور کئی

بھٹک کر ادھر اُدھر نکل گئے اور بعض نے مایوسی کی حالت میں اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ صبح تک اس کے ساتھ صرف چھ ہزار سپاہی رہ گئے ۔ طاہر کے ساتھیوں میں سے اکثر شہید ہو چکے تھے۔عبدالعزیز اور موسیٰ کو اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے میدان میں گرتے دیکھا تھا۔

چند دن تک تاتاری سائے کی طرح جلال الدین کے پیچھے لگے رہے یہاں تک کہ وہ لڑتا بھڑتا دریائے سندھ کے کنارے جا نکلا۔

دیارِ غیر

ایک صبح جلال اپنی مختصر فوج کے ساتھ ایک ایسی چٹان پر کھڑا تھا جو تین اطراف سے تاتاریوں کے محاصرے میں تھی اور چوتھی طرف تقریباً تیس فٹ نیچے دریائے سندھ ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

چنگیز خان کا حکم تھا کہ جلال الدین کو ہر قیمت پر زندہ گرفتار کیا جائے۔ چٹان کے گرد جلال الدین کے بچے کھچے ساتھ اپنی جان کی بازی لگا چکے تھے۔ تاتاریوں کا گھیرا تنگ ہو رہا تھا۔ انکی فوج سے ایک سوار جو شکل و صورت اور لباس سے ایک مسلمان عالم معلوم ہوتا تھا۔ سفید جھنڈا اٹھائے ہوئے آگے بڑھا اور اس نے چٹان کے قریب پہنچ کر بلند آواز میں کہا۔ سلطانِ معظم! اگر آپ ہتھیار ڈال دیں تو خانِ اعظم آپ کی جان بخشی کا وعدہ کرتے ہیں۔

سلطان نے جواب دیا۔ اگر تمہارے ہاتھ میں سفید جھنڈا نہ ہوتا تو میں تمہاری بات کا جواب تیر سے دیتا۔ جاؤ اس ڈاکو سے کہو کہ میں ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دیتا ہوں۔

طاہر نے چنگیز خان کے ایلچی کو ایک ہی نگاہ میں پہچان لیا۔ یہ مہلب بن داؤد تھا۔

چنگیز خان نے چند دستوں کو حملے کا حکم دیا۔ جلال الدین کے سپاہیوں کے تیروں اور پتھروں کی بارش سے چٹان کے نیچے تاتاریوں کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ چنگیز خان نے یہ دیکھ کر زیادہ سپاہی بھیج دیے۔ جلال الدین کے سپاہی ایک ایک کر کے کٹنے لگے۔ وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے چٹان کی آخری سرے تک جا پہنچا۔ سلطان نے تیمور ملک سے کہا۔ تیمور! قدرت نے ہمیں آگے اور پانی میں سے ایک شے

منتخب کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ تمہاری رائے کیا ہے؟

تیمور ملک نے جواب دیا۔ مجھے یقین ہے کہ پانی کی لہریں آگ کے شعلوں کی طرح بے رحم ثابت نہیں ہوں گی۔

بہت اچھا۔ میں راہنمائی کرتا ہوں۔ تم سپاہیوں کو تیار ہونے کا حکم دو۔ سلطان نے بھاری زرہ اتار کر پھینک دی۔ گھوڑے کو آگے بڑھایا اور ایک لمحہ خوفناک لہروں کو دیکھنے کے بعد ایڑ لگا دی۔ تیمور ملک نے چند آدمیوں کے سوا باقی سپاہیوں کو دریا میں کودنے کا حکم دیا۔

جب اپنی باری آئی تو تیمور ملک کی نگاہ طاہر پر جا پڑی۔ وہ چند قدم کے فاصلے پر گھوڑے کی گردن پر سر ٹیکے ہوئے تھا۔ اس کی زرہ میں چند تیر اٹکے ہوئے تھے اور اس کا وفادار نوکر زید تیزے کے ساتھ دو تاتاریوں کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

تیمور ملک گھوڑا بڑھا کر آگے بڑھا اور تاتاریوں میں سے ایک کی گردن اُڑا دی۔ دوسرے تاتاری کو زید گرا چکا تھا۔ اتنی دیر میں چند اور تاتاری پہنچ گئے۔ تیمور ملک نے طاہر کو کھینچ کر اپنے گھوڑے پر ڈالتے ہوئے زید اور باقی سپاہیوں کو دریا میں کودنے کا حکم دیا اور خود بھی اپنے گھوڑے کو چٹان کے سرے پر لے جا کر ایڑ لگا دی۔ عبدالملک دریا کے کنارے تذبذب کی حالت میں کھڑا تھا لیکن جب طاہر کو تیمور کی حفاظت میں دیکھا تو اس نے بھی چھلانگ لگا دی۔

چنگیز خان نے خوارزم شاہ کو زندہ پکڑنے کی نیت سے اپنے سپاہیوں کی معمولی تعداد چٹان پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کی تھی۔ جب تاتاری چٹان کے اُوپر کھڑے ہو کر دریا کی طرف اشارہ کر کے چلانے لگے تو وہ بھاگتا ہوا چٹان پر چڑھا۔ جلال الدین کے اکثر ساتھی تاتاریوں کے تیروں اور بعض دریا کی تند و تیز موجوں کا شکار

ہو چکے تھے۔لیکن جلال الدین تیروں کی زد سے دُور جا چکا تھا۔وہ دوسرے کنارے پہنچ کر ایک ٹیلے پر چڑھا اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

چنگیز خان نے اپنے بیٹوں اور سرداروں سے مخاطب ہو کر کہا۔خوش نصیب ہے وہ باپ جس کا بیٹا جلال الدین جیسا ہو اور مبارک ہیں وہ مائیں جو ایسے شیروں کو دودھ پلاتی ہیں۔

چنگیز خان کے بعض سپاہیوں نے جلال الدین کے تعاقب میں دریا عبور کرنے کی اجازت طلب کی لیکن اس نے کہا۔یہ دریا ترکستان کے چھوٹے چھوٹے دریاؤں سے مختلف ہے اور دشمن کے ترکش تیروں سے خالی نہیں

تیمور ملک نے طاہر کو دریا کے کنارے لٹا کر اس کی زرہ کھولی۔زخموں پر پٹیاں باندھیں اور کہا۔طاہر اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟

اس نے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔میں بالکل ٹھیک ہوں۔مجھے صبح سے پانی پینے کا موقع نہیں ملا تھا۔اس لیے بھوک اور پیاس کی وجہ سے چکر آ گیا تھا دریا میں ٹھنڈا پانی میں نے جی بھر کر پیا ہے۔

قریباً سات سو سپاہی دریا عبور کر کے جلال الدین سے جا ملے۔سلطان نے اردگرد کی بستیوں پر قبضہ کر کے سامانِ رسد اور چند گھوڑے فراہم کیے اور کوہستان نمک کے آس پاس ایک چھوٹے سے علاقے پر قبضہ کر لیا۔چند دنوں میں اسکی فوج کے منتشر سپاہیوں کی چند اور ٹولیاں بھی اس سے آملیں۔چنگیز خان نے چند کوس نیچے جا کر کشتیاں فراہم کیں اور ایک تجربہ کار جرنیل کو اپنے بہترین سواروں کو فوج دے کر دریا پار پہنچا دیا۔جلال الدین نے مایوسی کی حالت میں دہلی کو رُخ کیا۔تاتاری ہندوستان کی ناقابلِ برداشت گرمی میں دور تک اس کا پیچھا نہ کر سکے۔وہ

ملتان، لاہور اور شاہ پور کی علاقوں میں لوٹ مار کر کے واپس چلے گئے۔

واپسی پر پشاور کو تباہ و ویران کرنے کے بعد چنگیز خان نے سمرقند کا رُخ کیا۔ افغانستان کے تباہ شدہ علاقوں میں سے دوبارہ گزرتے ہوئے اس نے رہے سہے ان تمام مردوں کو، جو اس کے ہاتھ لگے، قتل کروا دیا اور بے شمار عورتوں کو اپنے ساتھ لے گیا۔

دریائے سندھ کے کنارے سے لے کر بحیرہ خزر تک تمام اسلامی ممالک پر تاتاریوں کا تسلط ہو چکا تھا۔ افغانستان سے انتقام لینے کے بعد چنگیز خان کو اطمینان ہو چکا تھا کہ اب مسلمانوں میں سر اُٹھانے کی ہمت نہیں۔ صرف جلال الدین ایک ایسا دُشمن تھا جسے وہ تمام دنیا سے زیادہ خطرناک سمجھتا تھا لیکن اس کے پاس کوئی ملک تھا، فوج عالمِ اسلام کی مدافعت کا آخری قلعہ مسمار ہو چکا تھا۔ پشاور کے قریب تاتاریوں کے ہاتھوں اس کے بچے اور بیوی جو امین کی حفاظت میں تھے، قتل ہو چکے تھے۔ تکشی خاندان کا وہ آخری چشم و چراغ جس کی مملکت چند برس قبل کوہِ البرز سے لے کر سندھ کے ساحل تک پھیلی ہوئی تھی۔ ایک بے خانماں مُسافر اور ایک بن بلائے مہمان کی حیثیت میں دہلی کے حکمران سلطان شمس الدین التمش کی مملکت میں پناہ ڈھونڈ رہا تھا لیکن اسے خیر مقدم کی امید نہ تھی۔

جلال الدین نے دہلی سے چند منازل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈال کر اپنے ایک تجربہ کار مشیر عین الملک اور طاہر بن یوسف کو رہنمائی میں سلطان شمس الدین التمش کی طرف ایک وفد روانہ کیا۔

(۲)

عین الملک اور اسکے ساتھیوں کو شاہی مہمان خانے میں ٹھہرا گیا۔ سلطان

التمش نے ان کے ساتھ تین ملاقاتوں کے بعد انہیں چند دنوں تک جواب دینے کا وعدہ کیا۔

اپنے تمام مشیروں اور فوجی افسروں سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد سلطان نے ایک دن ارکان وفد میں سے طاہر بن یوسف کو علیحدہ ملاقات کی دعوت دی اور ایک طویل گفتگو کے بعد کہا۔ ہم جلال الدین کی مدد سے انکار نہیں کر سکتے۔ لیکن ہماری مجبوریاں آپ سے پوشیدہ نہیں۔ ہمارے پاس چنگیز خان کا پیغام پہنچ گیا ہے۔ اُس نے لکھا ہے کہ اگر ہم نے سلطان جلال الدین کو پناہ دی یا اس کے ساتھ تاتاریوں کے خلاف کوئی معاہدہ کیا تو وہ ہندوستان پر حملہ کر دے گا۔ ہم ایسی دھمکیوں کی پروا کرنے والے نہیں۔ تاہم سلطان جلال الدین کو اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ اس ملک میں مسلمانوں کی آبادی آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ اگر تاتاری یہاں گھس آگئے تو خطرے کے وقت شاید یہاں کی دوسری اقوام ہمارا ساتھ دینے کی بجائے ان کے ساتھ جا ملیں۔ ہمیں چند ہندو راجاؤں نے یقین دلایا ہے کہ تاتاریوں کے حملے کی صورت میں وہ اپنے گھروں کی حفاظت کے لیے ہمارا ساتھ دیں گے لیکن اگر چنگیز خان انہیں یہ پیغام بھیج دے کہ اس کا مقصد صرف جلال الدین کو گرفتار کرنا ہے تو وہ یقیناً ہم سے یہ مطالبہ کریں گے کہ ہم اس مہمان کو پناہ دے کر ہندوستان کی تباہی کا موجب نہ بنیں۔ اگر ہمارے پاس زیادہ افواج ہوتیں تو ہم آدھے لشکر کے ساتھ جلال الدین کے جھنڈے تلے ہندوستان سے باہر نکل کر تاتاریوں کا مقابلہ کرتے اور آدھا لشکر ہندوستان کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیتے۔ لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے۔ پچھلے دنوں تاتاریوں نے چند دستے دریائے سندھ عبور کرنے کے بعد لاہور اور ملتان تک لوٹ مار کر گئے تھے اور ہمیں ان کی

پیشقدمی روکنے سے زیادہ اس بات کی فکر تھی کہ کہیں ہماری غیر مسلم رعایا باغی نہ ہو جائے۔ عین الملک نے ہمیں طعنہ دیا ہے کہ ہم تاتاریوں سے خوف زدہ ہیں۔ ہم اس بات کا جواب دوسروں کے سامنے نہیں دے سکتے لیکن ہم آپ سے کہتے ہیں کہ تاتاریوں سے خوف کھانے کی وجہ یہ نہیں کہ ہم بزدل ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم اپنے رعیت سے مطمئن نہیں۔

طاہر نے پوچھا۔ تو کیا میں سلطان جلال الدین کے پاس یہ جواب لے جاؤں کہ آپ کو ان کا ہندوستان میں ٹھہرنا منظور نہیں؟

نہیں۔ آپ نے ہمیں غلط سمجھا۔ اگر ہماری طرف سے سلطان جلال الدین کے مکتوب کا کوئی جواب ہو سکتا ہے تو وہ یہ کہ ہم اپنے ایک مصیبت زدہ بھائی کے لیے اپنے خون تک بہانے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن موجودہ حالات میں ان کی اعانت کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ ہم اس سلطنت کی حفاظت کی تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر اپنی ساری فوج سلطان کے حوالے کر دیں اور تاتاریوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ ہندوستان کی بجائے کسی ایسے **ملک** میں لڑی جائے جس کے عوام ہمارے ساتھ ہوں اور ہمیں یہ خدشہ نہ ہو کہ کوئی پیچھے سے ہمیں چھرا گھونپ دے گا۔ ایسی صورت میں نتیجہ اگر ہمارے حق میں ہو تو ہم ہندوستان کو ایک بار کھو کر بھی دوبارہ حاصل کر سکیں گے اور اگر ہمیں شکست ہوئی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان کو بھی کھو بیٹھیں گے۔

طاہر نے کہا۔ ہم نے ہندوستان کی وسعت سے آپ کی فوجی قوت کا اندازہ لگایا تھا۔ سلطان جلال الدین کی جنگ اپنے لیے نہیں، تمام اسلامی دنیا کے لیے ہے۔ وہ کبھی یہ گوارا نہیں کریں گے کہ یہ **ملک** جو ترکستان، ایران اور افغانستان کے

لاکھوں بے خانماں لوگوں کو پناہ گاہ بن سکتا ہے، مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائے۔ دریائے سندھ کے کنارے ان کی لڑائی تاتاریوں کو ہندوستان کے دروازے پہ روکنے کے لیے تھے۔خراسان اور ایران میں ان کی جنگیں عراق، شام اور مصر کی حفاظت کے لیے تھیں۔ ہمارا مقصد ایک ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنے کھوئے ہوئے ممالک دوبارہ حاصل کریں اور رہے سہے آزاد ممالک کو تاتاریوں کی غلامی سے بچائیں اور اس مقصد کے حصول کا راستہ بھی ایک ہے اور وہ یہ کہ ہم جمنا کے ساحل سے لے کر جبل الطارق تک ایک قطار میں کھڑے ہو جائیں۔ ہمارا ہر ملک اس اجتماعی جدوجہد میں اپنی استطاعت کے مطابق حصہ لے۔سلطان جلال الدین کا یہ خیال تھا کہ وہ آپ کے تعاون سے ہندوستان کو اپنی سرگرمیوں کو مرکز بنا کر ایک بار پھر تمام اسلامی سلطنتوں کو دعوتِ عمل دیں گے۔اگر عالم اسلام نے ان کی دعوت پر لبیک کہا تو بہت تھوڑے عرصے میں یہاں سپاہی جمع ہو سکتے ہیں۔

سلطان التمش نے کہا۔ہم یہاں آنے والے ہر سپاہی کا خیر مقدم کرینگے لیکن کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ سلطان جلال الدین خود یہاں ٹھرنے کی بجائے تمام عالمِ اسلام کا دورہ کریں اور ان کی آواز پر لبیک کہنے والوں کا مستقر ہندوستان ہو۔ جتنے سپاہی وہ فراہم کر کے یہاں بھیجیں گے۔ہم ان کی تمام ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ لیتے ہیں۔اس کا خوش گوار اثر یہ ہوگا کہ تاتاریوں کی توجہ ہندوستان سے ہٹ جائے گی اور ہمیں تیاری کا موقع مل جائے گا۔اس کے برعکس سلطان جلال الدین اگر خود ہندوستان میں رہے تو تاتاری ہر کروٹ سے باخبر رہیں گے اور ہماری طرف سے خطرہ محسوس کرتے ہی ہندوستان پر حملہ کر دیں گے۔آپ ہماری تمام باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور سلطان کو بھی سمجھائیں۔پھر اگر ان باتوں کے باوجود

سلطان نے یہاں ٹھہرنا قرینِ مصلحت سمجھا تو ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہمارے محل کا ایک حصہ ان کے لیے خالی ہو گا اور اگر انہیں ایک مہمان کی حیثیت میں یہاں ٹھہرنا پسند نہ ہو تو ہم انہیں یہ اجازت دے دیں گے کہ وہ اس ملک کے غیر مفتوحہ حصوں میں سے جونسا علاقہ چاہیں فتح کر لیں۔ ہم درپردہ ان کی مدد کریں گے اور تاتاریوں کو دُور رکھنے کے لیے ان پر ظاہر کریں گے کہ سلطان ہماری مرضی کے بغیر اس ملک میں گھس آیا ہے۔

طاہر نے کہا۔ میں آج ہی سلطان کی طرف روانہ ہو جاؤں گا اور چند دنوں تک سلطان کا جواب آپ کے پاس پہنچا دوں گا۔

شمس الدین التمش نے کہا۔ بہتر یہ ہو گا کہ آپ سلطان کو مکتوب میں یہ تمام باتیں لکھ بھیجیں اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو سلطان کے پاس روانہ کر دیں۔ عین الملک نے ابھی سے ہمارے امراء کے ساتھ ساز باز شروع کر دی ہے۔ آپ سلطان کو لکھیں کہ یہاں عین الملک کی موجودگی ہم دونوں کیلئے نقصان رساں ثابت ہو گی۔ بہتر یہ ہے کہ وہ اسے بُلا لیں اور ہمارے پاس تیمور ملک کو بھیج دیں۔ وہ نیک نیت بھی ہے اور معاملہ فہم بھی۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم بہت جلد کسی فیصلے پر پہنچ جائیں گے۔ سلطان کے پاس آپ اپنے ساتھیوں میں سے جس کو بھیجنا چاہیں اس کے لیے ڈاک کے گھوڑوں کا بندوبست کیا جائے گا اور زیادہ سے زیادہ تین دن میں سلطان کا جواب لے کر یہاں پہنچ جائے گا۔

اس ملاقات کے بعد طاہر کے دل میں سلطان التمش کے متعلق جو غلط فہمیاں تھیں وہ سب دُور ہو گئیں، اس نے مہمان خانے میں واپس آ کر عین الملک کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور سلطان جلال الدین کے نام مراسلہ لکھنے بیٹھ گیا۔

(۳)

اگلے دن طاہر شہر کی ایک مسجد میں صبح کی نماز پڑھ کر باہر نکلا تو دروازے کی سیڑھیوں پر کسی نے پیچھے سے اس کا دامن پکڑ لیا۔

کون؟ طاہر نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

ایک نو عمر لڑکے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ آپ مجھے جانتے نہیں؟

اسماعیل! طاہر نے اسے جھک کر گلے لگا لیا اور جذبات کے ہیجان میں اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ تم یہاں کب پہنچے؟ تمھارا نانا کہاں ہے؟ تمہاری نانی کیسی ہے؟ اور ثریا تمہاری بہن کہاں ہے؟

چلیے وہ سب گھر پر ہیں۔

کہاں؟

اسی شہر میں بالکل قریب!

طاہر کا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے کہا۔ مجھے یہاں ایک ہفتہ ہو گیا۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تم یہاں ہو۔ مجھے بلخ کے قریب پہنچ کر پتہ چلا کہ تم غزنی جا چکے ہو۔

اسماعیل نے کہا۔ کل رات میں نے آپ کو اسی مسجد میں دیکھا تھا لیکن میں دُور تھا، اچھی طرح پہچان نہ سکا اور جب میں نے آپ کا پیچھا کیا، آپ آدمیوں کے ہجوم میں باہر نکل گئے۔ میں نے آپا جان سے ذکر کیا تو انہوں نے آج صبح مسجد کے دروازے پر پہرہ دینے کے لیے کہا۔ چلیے!

طاہر اسماعیل کے ساتھ چل دیا۔ منزل شوق کی طرف اس کی پاؤں کبھی تیز اور کبھی سست رفتار سے اُٹھ رہے تھے۔

وہ اسماعیل کے ساتھ ایک خوبصورت محل میں داخل ہوا۔

ثریا مکان کے صحن میں آم کے درختوں کے درمیان کھڑی تھی۔ طاہر اُسے دیکھ کر رکتا، جھجکتا اور سنبھلتا ہوا آگے بڑھا اور چند قدم کے فاصلے پر رُک گیا۔ دونوں کی نگاہیں ایک ثانیہ بھٹکنے کے بعد ایک دوسرے کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ خاموش تھے اور الفاظ کی ضرورت بھی نہ تھی۔ انکے دل و دماغ سمٹ کر نگاہوں میں آ چکے تھے۔ وہ ایک دوسرے کے چہرے کو بدلتے ہوئے رنگ دیکھ رہے تھے۔ ایک لمحے کے لیے انہیں دنیا میں ایک دوسرے کے سوا کسی اور کی موجودگی کا احساس تک نہ تھا۔ ان کے دلوں کی دھڑکنوں کے سوا کارخانہء حیات کے تمام ہنگامے سو چکے تھے۔

اسماعیل نے کہا۔ آپا پہچانا نہیں آپ نے؟ یہ بھائی طاہر ہیں!

ثریا مسکرائی اور ایک لمحہ توقف کے بعد آگے بڑھ کر اسماعیل کو گلے لگا کر بولی۔ میرے خیال میں تم نے انہیں پہچاننے میں غلطی کی ہے۔ یہ شاید کوئی اور ہیں۔

اسماعیل نے پریشان ہو کر طاہر کی طرف دیکھا اور کہا۔ خدا کی قسم یہ وہی ہیں!

ثریا ہنسی اور طاہر کی طرف دیکھ کر اپنی آنکھوں میں مسرت کے آنسو چھپاتی ہوئی مکان کی طرف چل دی، برآمدے کی سیڑھیوں کے قریب پہنچ کر وہ چلنے کی بجائے بھاگ رہی تھی۔

نانی جان وہ آ گئے۔ اس نے ایک دروازے پر رُک کر کہا۔ باہر اسماعیل حیران ہو کر طاہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

آپ ذرا دُبلے ہو گئے ہیں۔ شکل تو بالکل وہی ہے۔ عجیب بات ہے کہ آپا آپ کو نہیں پہچان سکیں۔ آپ میرے ساتھ اندر چلیے۔ نانا جان کو آپ ضرور پہچان لیں گے۔ اسماعیل نے یہ کہتے ہوئے طاہر کا ہاتھ پکڑ لیا۔

طاہر نے ہنستے ہوئے کہا۔ لیکن اگر انہوں نے بھی نہ پہچانا تو؟

اسماعیل نے پھر ایک بار غور سے طاہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں سچ کہتا ہوں ۔آپ کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہیں آئی ۔ پیشانی پر زخم کا ایک نشان ہے لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے ۔نانا جان یقیناً آپ کو پہچان لیں گے ۔

اتنی دیر میں شیخ عبدالرحمن باہر نکلتا ہوا دکھائی دیا۔ چند نوکر اس کے ساتھ تھے اور وہ بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔ سخت نالائق ہو تم ! مہمان باہر کھڑا ہے اور تم نے مجھے خبر تک نہیں دی اور وہ دیکھو، اسماعیل بھی کتنا احمق ہے ۔ نہ معلوم یہ کب سے وہاں کھڑے ہیں ۔

طاہر نے آگے بڑھ کر شیخ عبدالرحمن سے مصافحہ کیا۔ شیخ اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے ایک میل دوڑ کر آیا ہو۔

اس نے کہا۔ آیئے اندر چلیے ۔آپ باہر کیوں کھڑے تھے؟

اسماعیل نے کہا۔ نانا جان! پہچانا آپ نے یہ کون ہیں؟

چُپ نالائق۔

شیخ طاہر کا بازو پکڑ کر مکان کی طرف چل دیا۔ برآمدے کے سامنے سنگ مرمر کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اس کا پاؤں پھسلا لیکن طاہر نے اسے بروقت تھام لیا ۔اسماعیل ہنستا ہوا بھاگ کر ستون کے پیچھے چھپ گیا۔

شیخ نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ یہ سنگ مرمر کی سیڑھیاں بہت خطرناک ہیں ۔ میں چوتھی بار یہاں سے پھسلا ہوں ۔ اسماعیل کہاں گیا؟ وہ نالائق یقیناً کہیں چُھپ کر ہنس رہا ہوگا۔ اے صابر! شوکت ! آج ہی معماروں کو بلاؤ اور انہیں کہو کہ یہ سنگِ مرمر اکھاڑ کر کوئی کھردرا پتھر لگا دیں لیکن ٹھہرو! ابھی نہیں پھر سہی۔

شیخ نے طاہر کو ایک خوش نما کمرے میں بٹھاتے ہوئے کہا۔ میں تمہارے

متعلق مایوس ہو چکا تھا۔ میں تم سے کئی باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔ ہاں! پہلے یہ بتاؤ کہ تم دہلی کیسے آئے؟ تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم بلخ جلد پہنچو گے۔ پھر اتنی دیر کیوں لگائی؟

طاہر نے ان سوالات کے جواب میں مختصر طور پر اپنی سرگزشت بیان کر دی۔

شیخ نے کہا۔ اب دوبارہ بھاگنے کا ارادہ تو نہیں؟

میں جلال الدین کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر اسے یہاں سے کوچ کرنا پڑا تو مجھے بھی اس کا ساتھ دینا پڑے گا لیکن فی الحال کم از کم ایک ہفتہ میں یہیں ہوں۔

میں عنقریب دہلی چھوڑنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔

آپ کہاں جائیں گے؟

مدینہ، بغداد یا دمشق۔ ثریا مدینے جانے پر مصر ہے۔ لیکن میں نے ابھی تک فیصلہ نہیں کیا۔ تمہارے خیال میں کون سا شہر زیادہ محفوظ ہے؟

مدینہ ہر لحاظ سے محفوظ ہے۔

تمہارا گھر بھی وہیں ہے نا؟

جی ہاں! مدینے کے بالکل قریب۔ اگر آپ میرے گھر ٹھہرنا قبول فرمائیں تو میں اپنے نوکر کو اپنے ساتھ بھیجنے کے لیے تیار ہوں

شکریہ! لیکن میں دو سال قبل مدینے میں ایک باغ اور ایک مکان خرید چکا ہوں۔ میں نے اپنے دو ملازم دمشق اور بغداد بھیج دیے ہیں۔ انہوں نے وہاں بھی میرے لیے مکان خرید لیے ہوں گے۔ اب ایک بات کا فیصلہ باقی ہے اور وہ یہ کہ تم اپنی بیوی کو اپنے ساتھ لے جاؤ گے یا سر دست اس کا ہمارے ساتھ رہنا پسند کرو گے؟

میری بیوی؟ طاہر نے پریشان ہوکر کہا۔

ہاں ہاں! تمہاری بیوی۔ میرا مطلب ہے شادی کے بعد؟

شیخ اپنا فقرہ پورا نہ کرسکا۔ عقبی کمرے کا دروازہ کھلا اور شیخ کی عمر رسیدہ بیوی اندر داخل ہوئی۔ طاہر نے اٹھ کر سلام کیا اور اس نے پیار اور شفقت سے کہا۔ بیٹھ جاؤ بیٹا!

شیخ نے کہا۔ ہاں! میں کیا کہہ رہا تھا؟

حنیفہ نے غصے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ شاید یہ کہہ رہے تھے کہ اب کسی تاخیر کی بغیر ثریا اور ان کی شادی کردی جائے۔

نہیں۔ نہیں میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ ثریا کا ہمارے ساتھ رہنا پسند کریں گے یا اپنے ساتھ لے جائیں گے؟

بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ جب تک یہ جنگ سے فارغ نہیں ہوتے ثریا ہمارے سوا اور کہاں رہ سکتی ہے؟

یہی تو میں کہہ رہا تھا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ شادی کرنے کے بعد اگر یہ ثریا کو اپنے ساتھ لے جانے کا خیال رکھتے ہوں تو ان کا ارادہ تبدیل کردوں۔

لیکن ابھی تک آپ نے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ شادی کب ہوگی؟

میں فیصلہ کرچکا ہوں۔

حنیفہ نے پریشان ہوکر سوال کیا۔ کب؟

رات کو جب اسماعیل نے یہ بتایا تھا کہ اس نے مسجد میں انہیں دیکھا ہے، میں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کرلیا تھا بلکہ میں نے یہ قسم اُٹھائی تھی کہ اگر یہ مل گئے تو میں فوراً ان کی شادی کردوں گا۔ اب اگر انہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں آج ہی قاضی کو

بلاتا ہوں!

طاہر نے حیا سے آنکھیں نیچی کرتے ہوئے جواب دیا۔ بھلا مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔

حنیفہ نے کہا۔ لیکن تیاری کرنے اور لوگوں کو دعوت کی اطلاع دینے میں کم از کم دو دن ضرور لگ جائیں گے۔

شیخ نے کہا۔ دو دن؟ تم اس دن سے تیاری میں مصروف ہو، جس دن طاہر بلخ سے روانہ ہوا تھا۔ دعوت کے لیے تم کہو تو میں شام سے پہلے پہلے سارا شہر یہاں جمع کرسکتا ہوں۔

لیکن کم از کم دو دن پہلے تو اطلاع ہونی چاہیے۔ شہر کے امراء کی کئی لڑکیاں ثریا کی سہیلیاں بن چکی ہیں اور انہیں کم از کم ایک دن پہلے بلانا چاہیے۔

شیخ نے ایک طویل بحث کے بعد ہار مانتے ہوئے کہا۔ بہت اچھا پرسوں ہی سہی۔ پرسوں صبح نکاح ہوگا۔

(۵)

کھانا کھانے کے بعد شیخ نے طاہر کو اپنے پاس ٹھہرانے کے لیے اصرار کیا لیکن طاہر نے کہا۔ نہیں اس وقت مجھے اجازت دیجیے۔ شاہی مہمان خانے میں میرے ساتھی انتظار کر رہے ہوں گے۔ شام کو آجاؤں گا۔

شیخ سے اجازت لے کر طاہر کمرے سے باہر نکلا تو برآمدے میں اسماعیل منتظر کھڑا تھا۔ اس نے کہا۔ آپ جا رہے ہیں۔ اگر تھوڑی دیر اور ٹھہر جاتے تو میں آپ کے ساتھ چلتا۔ استاد نے کہا کہ سبق ختم کیے بغیر چھٹی نہیں ملے گی۔

شیخ اسماعیل کی آواز سن کر باہر نکل آیا اور بولا۔ جاؤ بیٹا! اپنا سبق ختم کرو یہ شام

کو آ جائیں گے۔

اسماعیل نے کہا۔شاید یہ راستے سے واقف نہ ہوں!

شیخ نے کہا۔دیکھا آپ نے، یہ ہر ایک کو اپنے مقابلے میں کم عقل سمجھتا ہے۔

طاہر نے مسکراتے ہوئے کہا۔اسماعیل! تم جا کر سبق پڑھو۔ میں شام کو آ جاؤں گا۔پھر ہم دونوں سیر کے لیے جائیں گے۔

اسماعیل بادل نخواستہ اپنے کمرے میں چلا گیا اور طاہر مکان سے نکل کر پائیں باغ میں داخل ہوا۔آسمان پر بادل چھا رہے تھے۔راستے سے ایک طرف آم کے گھنے درختوں کے درمیان ایک چھوٹے سے حوض میں فوارہ چھوٹ رہا تھا۔راج ہنس کا ایک جوڑا پانی میں تیر رہا تھا اور ثریا سنگ مرمر کی پٹری پر بیٹھی ہوئی تھی۔طاہر اس کے قریب سے گزرتے ہوئے رکا اور وہ اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

آپ جا رہے ہیں؟ ثریا نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔وہ اب طاہر کی طرف دیکھنے کی بجائے آنکھیں نیچی کیے ہوئے تھی۔طاہر نے اپنا راستہ چھوڑ کر اس کے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔میں شاہی مہمان خانے میں اپنے دوستوں کے پاس جا رہا ہوں۔شام تک آ جاؤں گا۔

اسماعیل کو آپ کے ساتھ بھیج دوں؟

نہیں۔وہ سبق یاد کر رہا ہے۔میں آپ سے ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں!

بات یہ ہے ------ طاہر سوچ میں پڑ گیا۔

ثریا نے اس کی طرف چونک کر دیکھا اور کہا۔کہیے! آپ خاموش کیوں ہو گئے؟

میں سوچ رہا ہوں کہ یہ بات شروع کس طرح کروں؟ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ

آپ آج شام یا کل صبح کوئی وقت نکالیں۔ اس کے لیے فرصت اور تنہائی کی ضرورت ہے۔

اگر کوئی بات اس قدر اہم ہے تو میں ابھی سُننا چاہتی ہوں۔ شام تک ممکن ہے میری چند سہیلیاں آجائیں اور مجھے ان کی وجہ سے تنہائی نصیب نہ ہو۔

پہلے آپ یہ وعدہ کریں کہ خفا ہونے سے پہلے میری باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گی!

اگر کوئی ایسی بات ہے جس سے آپ میرے خفا ہو جانے کا خدشہ محسوس کرتے ہیں تو آپ کسی ہچکچاہٹ کے بغیر کہہ دیجیے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں خفا نہیں ہوں گی۔

طاہر نے کہا۔ بات یہ ہے کہ بلخ سے بغداد پہنچنے کے بعد میرے ساتھ چند ایسے واقعات پیش آچکے ہیں جن کا شادی سے پہلے آپ کے ساتھ ذکر کر ان میں اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں۔

ثریا نے حیرت زدہ سی ہو کر طاہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کہیے! بلخ سے بغداد جانے کے بعد کیا ہوا؟

مجھے معلوم نہ تھا کہ۔۔۔۔۔۔۔؟

آپ گھبرائیں نہیں، میں سمجھ گئی، میں آپ کو آپ کی مرضی کے خلاف کسی گذشتہ فیصلے کا پابند رہنے پر مجبور نہیں کروں گی۔

دیکھا، آپ کو ابھی سے غلط فہمی ہوگئی۔ میں صرف اس لیے آپ سے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ کل آپ کو یہ شکایت نہ ہو کہ آپ نے بے خبری میں اپنے مستقبل کے متعلق کوئی غلط فیصلہ کیا تھا۔

ثریا نے کہا۔ دنیا میں صرف آپ ہیں جس سے مجھے کبھی کوئی شکایت نہیں ہو سکتی۔ لیکن آپ کے تذبذب سے مجھے بے چینی ضرور ہوئی ہے۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ بغداد پہنچ کر آپ کو کیا واقعات پیش آئے۔ مجھے یہ اطمینان ہے کہ آپ سے جو کچھ ہوا ہو گا، وہ صحیح ہو گا۔ اگر آپ مجھ سے یہ بھی کہیں کہ آپ کسی اور سے شادی کرنے پر مجبور ہو گئے تھے تو خدا شاہد ہے کہ مجھے آپ سے شکایت نہ ہو گی۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ آپ میرے ہیں۔ اگر وہ کوئی ایسی ہے جسے آپ کی محبت میں کسی کی شرکت گوارا نہیں تو میں آپ کو شادی کے لیے مجبور نہ کروں گی اور اگر آپ اس لیے بات کرنے سے ہچکچا رہے ہیں کہ میں اپنی محبت میں کسی اور کی شرکت گوارا نہیں کروں گی تو مجھے یقیناً اس بات کا افسوس ہو گا کہ آپ نے میرے متعلق غلط رائے قائم کی۔

لیکن تم نے یہ کیوں سوچا کہ میں شادی کر چکا ہوں؟

آپ کی بجائے ہم سُن کر ثریا کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا۔ وہ بولی۔ تو پھر اس کے سوا آپ اور کیا کہنا چاہتے کہ میرے علاوہ ایک اور لڑکی بھی ہے جسے آپ مایوس نہیں کرنا چاہتے!

اچھا فرض کرو میں یہی کہنا چاہتا ہوں تو؟

تو کیا؟

تو تم کیا جواب دیتیں؟

میں جواب دینے سے پہلے آپ سے کئی سوالات پوچھتی۔

کیسے سوالات؟

میں پوچھتی، وہ کون ہے، کیسی ہے، آپ اس سے کب ملے، کیسے ملے، اس

نے آپ سے کیا کہا۔آپ نے کیا جواب دیا۔آپ نے میرا ذکر کیا تو اس نے کیا کہا ۔وہ رحم دل ہے یا جھگڑالو ہے؟ثریا ہنسنے لگی۔

ثریا سُنو! طاہر نے سنجیدہ ہو کر کہا اور وہ چپ چاپ دانتوں میں اُنگلی داب کر حوض کے کنارے بیٹھ گئی ،اس کی آنکھوں مین شرارت آمیز تبسم تھا۔

طاہر نے اپنے ساتھ صفیہ کی ابتدائی دلچسپی سے لے کر آخری ملاقات تک کے تمام واقعات بیان کر دیے۔

اختتام پر ثریا نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا ۔لایئے وہ انگوٹھی کہاں ہے؟

طاہر نے جیب سے انگوٹھی نکال کر ثریا کے ہاتھ پر رکھ دی۔ثریا نے اپنی انگوٹھی اُتار کر صفیہ کی انگوٹھی پہن لی اور کہا۔مجھے معاف کیجئے۔میں نے آپ کو پریشان کیا۔ یہ لیجئے میری انگوٹھی اپنے پاس رکھیے اور جب وہ ملے اسے میری طرف سے پیش کر دیجیے اور میری طرف سے یہ بھی کہیے کہ میں اس کی ایک ادنٰی خادمہ بن کر رہنا بھی اپنے لیے باعث فخر خیال کروں گی۔

(٦)

طاہر کی شادی سے اگلے دن تیمور ملک دلی پہنچا۔لوگ اس کے سپاہیانہ کارنامے سُن چکے تھے۔جب وہ شہر کے دروازے پر پہنچا تو امرائے سلطنت کے علاوہ شہر کے بہت سے لوگ اس کے اِستقبال کے لیے کھڑے تھے۔جب وہ شاہی مہمان خانے کی طرف جا رہا تھا،ایک اچھا خاصا جلوس اس کے پیچھے تھا۔

طاہر نے تفصیل سے سلطان کے ساتھ گزشتہ ملاقاتوں کا ذکر کرنے کے بعد کہا ۔مجھے افسوس ہے کہ آپ ایک دن دیر سے یہاں تشریف لائے۔ورنہ دعوت ولیمہ

میں آپ بھی شریک ہو جاتے۔

کس کی دعوتِ ولیمہ؟

میری۔ میری شادی ہو چکی ہے۔

کب؟ کیسے؟ کہاں؟

کل۔ آپ کو یاد ہے بلخ کے راستے میں جب آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ ایک لڑکی میرے ساتھ تھی اور آپ نے اس کی تقریر سُن کر مجھے ایک نصیحت کی تھی۔ میں نے آپ کی اس نصیحت پر عمل کیا ہے۔

تو وہ بلخ سے یہاں پہنچ گئے؟ تم بہت خوش نصیب ہو!

میرا خیال تھا کہ آپ کے ساتھ عبدالملک بھی آئے گا اور آپ دونوں میری شادی میں شریک ہو سکیں گے۔

عبدالملک بغداد روانہ ہو چکا ہے۔

کب؟

تمہاری مکتوب ملتے ہی سلطان نے مجلسِ شوریٰ طلب کی اور ہمارا متفقہ فیصلہ تھا کہ تمام اسلامی سلطنتوں میں ایلچی بھیج کر انہیں تاتاریوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنانے کی دعوت دی جائے۔ سلطان کی خواہش تھی کہ تمہیں بھیجا جائے لیکن میں نے یہ رائے دی کہ تمہاری دہلی میں بھی ضرورت ہے۔

طاہر نے کہا۔ لیکن میری طرح عبدالملک کے متعلق بھی خلیفہ کی رائے اچھی نہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ اسے جاتے ہی گرفتار نہ کر لیں۔

تیمور ملک نے جواب دیا۔ نہیں، وہ سلطان کے ایلچی کی حیثیت سے گیا ہے۔ خلفیہ اس قدر رذالت کا ثبوت نہیں دے گا۔ سلطان نے باقی تمام اسلامی ممالک

میں بھی اپنے ایلچی روانہ کر دیے ہیں۔

ایک افسر نے اندر آ کر اطلاع دی۔ سلطان نے آپ کو ملاقات کے لیے بلایا ہے۔

تیمور ملک نے اُٹھتے ہوئے طاہر سے مخاطب ہو کر کہا۔ انشاءاللہ! میں واپس آ کر تمہاری شادی پر ایک تحفہ پیش کروں گا۔

دوپہر کے وقت تیمور ملک سلطان سے ملاقات کر کے واپس آیا تو اس نے طاہر کو اپنے کمرے میں بُلا کر کہا۔ میں نے تمہیں ایک تحفہ پیش کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ میں اپنا وعدہ پورا کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ تم تا حکمِ ثانی دہلی میں رہو گے اور جب تک سلطان جلال الدین ہندوستان میں ہیں۔ تمہیں دوسرا حکم نہیں دیا جائے گا۔ میں کل جا رہا ہوں۔ دہلی میں تم سلطان کے سفیر بن کر رہو گے۔ مجھے ڈر ہے کہ بعض ترک سردار سلطان التمش کو ہمارے سلطان کے خلاف اُکساتے رہیں گے لیکن تم نے چند ملاقاتوں میں سلطان پر جو اثر ڈالا ہے اس کے پیش نظر مجھے یقین ہے کہ تمہاری یہاں موجودگی میں کوئی شخص اسکا ارادہ تبدیل نہیں کر سکے گا۔ تم اپنا کام جاری رکھو اور سلطان، امراء اور عوام کو تاتاریوں کے خلاف متحدہ محاذ میں ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ کرتے رہے۔ سلطان التمش یہ سُن کر خوش ہوا تھا کہ اب تم خوارزم شاہ کے سفیر بنو گے۔ وہ تمہاری نیک نیتی اور خلوص سے بہت متاثر ہے۔

شام کے وقت شیخ عبدالرحمن نے تیمور ملک کے اعزاز میں شہر کے معززین کو دعوتِ طعام دی۔ کھانا کھانے کے بعد تیمور ملک نے کہا۔ طاہر! میں تمہاری بیوی کے لیے بھی ایک تحفہ لایا ہوں۔

حاضرین گہری دلچسپی کے ساتھ تیمور ملک کی طرف دیکھنے لگے۔ تیمور ملک

نے اپنے گلے سے حمائل اتار کر طاہر کو پیش کرتے ہوئے کہا۔تمہاری بیوی کے لیے میں اس سے بہتر تحفہ پیش نہیں کر سکتا۔ یہ قرآن مجید میرے والد کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

دہلی میں چند دن اور رہنے کے بعد طاہر کو سلطان التمش کی پریشانیوں کی وجوہات معلوم ہوئیں۔التمش نے دہلی کا تخت وتاج اپنے آقا قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد اس کے نالائق بیٹے سے زبردستی حاصل کیا تھا۔ترک امراء بالخصوص ایبک اس کی کامیابی پر خوش نہ تھے۔ان میں سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ دہلی کے تخت پر التمش کی نسبت اس کا اپنا حق زیادہ ہے۔سرکش امراء کو التمش کے آہنی ہاتھ مغلوب کر چکے تھے لیکن شمال مغرب سے اُسے تاتاریوں کا خطرہ تھا اور جنوب میں راجپوت منظم ہو رہے تھے۔ان حالات میں التمش کا یہ خدشہ بے جا نہ تھا کہ اگر تاتاریوں یا راجپوتوں کے ساتھ لڑائی کی نوبت آ گئی تو اس کی فوج کے بعض ترک سردار جو ابھی تک مطمئن نہیں ہوئے، اس کے دشمنوں کے ساتھ جا ملیں گے۔

جب عین الملک مے دہلی میں پہنچ کر سلطان کے باغی امراء کے ساتھ ساز باز شروع کی دی تو التمش کو ایک نئے خطرے کا احساس ہوا۔تیمور ملک سلطان سے ملاقات کے بعد عین الملک کے ساتھ بہت سختی سے پیش آیا۔رُخصت سے پہلے وہ چند سرکردہ امراء سے ملا اور انہیں مستقبل کے خطرات سے آگاہ کرنے کے بعد متفق اور متحد رہنے کی ہدایت کی۔

تیمور ملک کے جانے کے بعد طاہر نے امراء کو متحد کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔چند دنوں میں سلطان کے مخالفین میں سے اکثر امراء نے طاہر کی تقریروں سے متاثر ہو کر یہ حلف اُٹھایا کہ وہ خطرے کے وقت سلطان کے ساتھ بے وفائی نہیں

کریں گے۔ اس کے بعد طاہر عوام کی طرف متوجہ ہوا۔ دہلی کی مساجد میں اس کی چند تقریروں کے بعد باقی چند امراء نے بھی یہ محسوس کیا کہ اگر وہ الگ تھلگ رہے تو رائے عامہ ان کے خلاف مشتعل ہو جائے گی اور سلطان آسانی سے ان کی سرکوبی کر سکے گا۔ چنانچہ وہ بھی سلطان سے وفا داری کا اعلان کرنے پر مجبور ہو گئے۔ طاہر کی ان کامیابیوں کی ایک بڑی وجہ ثریا کی کوششیں تھیں۔ دہلی میں طاہر کی بیوی بننے سے قبل اسے امراء کی بہو بیٹیاں صرف ایک مالدار تاجر کی حسین بیٹی کی حیثیت سے جانتی تھیں۔ لیکن اس کی شادی میں سلطان اور ملکہ کی شرکت نے اسے تمام بڑے بڑے خاندانوں کی توجہ کا مستحق بنا دیا۔ اب انہیں ثریا کی زندگی کے کئی اور روشن پہلو نظر آنے لگے۔ عورتوں کی ہر محفل میں اس کا ذکر ہونے لگا۔ جہاں چار عورتیں جمع ہوتیں گفتگو شروع ہو جاتی۔

ایک کہتی۔ میں نے سنا ہے کہ اس کا نانا ایک سیدھا سادا تاجر ہے جو صرف روپے کمانا جانتا ہے۔

دوسری کہتی۔ لیکن اس کی نانی بڑی ہوشیار ہے۔ کئی امراء کی بیویاں یہاں تک کہ وزیر اعظم کی بیوی بھی اسے بڑی اماں کہہ کر پکارتی ہے۔ جو باتوں سے اس کی معترف نہیں ہوتی۔ وہ اسے کوئی تحفہ دے کر خرید لیتی ہے۔ میں نے سُنا ہے، ملکہ کو بھی اس نے جواہرات کا ایک ہار پیش کیا تھا۔

اسی لیے تو ملکہ نے بھی ثریا کی شادی پر زیوارت سے بھری ہوئی ایک صندوقچی پیش کی تھی۔

میں نے سُنا ہے کہ ثریا کا باپ کسی شہر کا حاکم تھا، وہ تاتاریوں کے ساتھ لڑائی میں شہید ہوا۔

وہ بڑی خوش نصیب ہے۔ اس کے نانا کے پاس بے پناہ دولت ہے، باپ ایک بہادر سپاہی تھا اور شوہر سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کا سفیر اور ہمارے ملک سلطان کا گہرا دوست ہے۔ کہتے ہیں وہ صورت سے بالکل فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کی آواز میں جادو ہے۔

دہلی کی با اثر امراء کو متحد کرنے کی مہم میں طاہر کے ساتھ شریک ہو کر ثریا نے جو کامیابی حاصل کی، اس کے باعث اب وہ طاہر کی بیوی اور شیخ کی بیٹی ہونے سے زیادہ قوم کی ایک قابلِ احترام بیٹی کی حیثیت میں پہچانی جاتی تھی۔

اس نے ایک دن شہر کے معزز گھرانوں کی عورتوں کو اپنے مکان پر کھانے کی دعوت دی اور ان کے سامنے تاتاریوں کے مظالم بیان کرنے کے بعد یہ اپیل کی کہ وہ مردوں کو خوابِ غفلت سے جگائیں ورنہ وحشت و بربریت کا طوفان ہمسایہ ممالک کو تباہ و برباد کرنے کے بعد ہندوستان کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ اجتماعی خطرے کے مقابلے کے لیے اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے۔

ثریا نے انہیں سمجھایا کہ اگر قوم کی عورتیں فرض شناسی کا ثبوت دیں تو مردوں میں سے کسی کو غدار کرنے کی جراءت نہیں ہو سکتی۔ بیویاں اپنے شوہروں کو، بہنیں بھائیوں کو اور مائیں اپنے بیٹوں کو قوم کا ساتھ دینے پر مجبور کر سکتی ہیں۔ صرف مردوں کا اتحاد اور ایثار قوم کی بہو بیٹیوں کی حفاظت کا ضامن ہو سکتا ہے۔

ثریا نے ہندوستان کی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ اگر سلطان اور امراء کے اختلافات کم نہ ہوئے تو تاتاریوں کی شہ پاتے ہی ہمارے خلاف اس ملک کے کروڑوں غیر مسلم اُٹھ کھڑے ہوں گے۔

ثریا کی تقریر اس قدر موثر تھی کہ تمام خواتین نے اپنے اپنے گھر کے مردوں کو

سمجھانے کا عہد کیا۔ یہ ابتدا حوصلہ افزا تھی۔ اسکے بعد ہر محلے کی عورتیں ثریا کو تبلیغ کی دعوت دینے لگیں۔ قریباً ہر شام کسی نہ کسی عورت کے گھر میں جلسہ ہوتا اور ثریا وہاں تقریر کرتی۔

شیخ عبدالرحمن نے طاہر کی موجودگی میں دہلی چھوڑنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ سندھ ساگر کے علاقے میں ڈیرہ ڈال کر باہر کی اسلامی سلطنتوں سے اپنی اپیل کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔

طاہر اور ثریا نے چند ہفتوں میں دہلی کے مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی۔ اس کے بعد انہوں نے سلطان التمش کی درخواست پر اس کی مملکت کے دوسرے شہروں کا رُخ کیا۔ ان کی شہرت ہمیشہ ان سے ایک منزل آگے رہی۔ ہر شہر میں ان کا نہایت شاندار خیر مقدم کیا گیا۔ ثریا عورتوں کو تبلیغ کرتی اور طاہر مردوں میں حرارتِ ایمانی زندہ کرتا۔ وہ مساجد میں تقریریں کرتا۔ فوجی چوکیوں میں جا کر سپاہیوں کی پریڈ دیکھتا اور ان کے ساتھ تیغ زنی، تیر اندازی اور نیزہ بازی کی مشق میں شریک ہوتا۔

الفاظ اور کردار کا غازی جب کئی مہینوں کے دورے کے بعد واپس دہلی پہنچا تو سلطان التمش نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ اب مجھے یقین ہے کہ میں دریائے سندھ سے لے کر کوہ بندھیا چل تک تمام سرکشوں کو مغلوب کر سکوں گا۔ اب تاتاریوں نے ہندوستان کا رُخ کرنے کی جُرات کی تو انشاءاللہ ان میں سے کوئی بچ کر نہیں جائے گا۔

چند دنوں کے بعد سلطان جلال الدین کے ایلچی نے دہلی پہنچ کر یہ خبر دی کہ خلیفہ کی طرف سے اپنی درخواست کا حوصلہ افزا جواب سُن کر سطان ہندوستان کی

بجائے بغداد کو اپنا مرکز بنانا بہتر سمجھتے ہیں ۔ یہ خبر سنانے کے بعد ایلچی نے طاہر کو تیمور ملک کا مکتوب پیش کیا جس کا مضمون یہ تھا۔

"خلیفہ سے اپنا پیغام کا حوصلہ افزا جواب موصول ہونے پر سلطان نے بغداد جانے کا فیصلہ کیا ہے ۔ ہم چند دنوں میں ملتان پہنچ جائیں گے ۔ سلطان کا حکم ہے کہ تم بھی وہاں پہنچ جاؤ ۔ سلطان معظم سندھ اور مکران کے راستے بغداد پہنچیں گے ۔ سلطان شمس الدین التمش کو یہ پیغام پہنچا دو کہ بغداد پہنچ کر ہم مصر، شام اور عرب کے ممالک سے اعانت حاصل کرنے کے بعد انہیں اپنے ارادوں سے باخبر کر دیں گے، اس وقت تک وہ اپنی کمانیں درست اور تلواریں تیز کر چھوڑیں ۔"

طاہر تیمور ملک کا مکتوب لے کر ثریا کے کمرے میں داخل ہوا ۔ ثریا نے دیکھتے ہی سوال کیا ۔ ایلچی کیا پیغام لایا ہے؟

طاہر نے اس کے ہاتھ میں خط دیتے ہوئے کہا ۔ تم خود پڑھ لو ۔

ثریا نے خط پڑھنے کے بعد اس کی طرف دیکھا اور سوال کیا ۔ آپ نے کن جانے کا فیصلہ کیا ہے؟

کل یا پرسوں ۔

لیکن آپ کچھ پریشان ہیں ۔ میری فکر نہ کیجئے ۔

ثریا! اس میں شک نہیں کہ تم سے جدا ہونا میرے لیے آسان نہیں لیکن میری پریشانی کی وجہ کچھ اور ہے ۔

میں پوچھ سکتی ہوں؟

بات یہ ہے کہ میں خلیفہ کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں ۔ مجھے ڈر ہے کہ سلطان بغداد جانا ان کے لیے تکلیف دہ ثابت نہ ہو ۔ ہو سکتا ہے کہ میں نے خلیفہ

کے متعلق غلط رائے قائم کی ہو لیکن امرائے سلطنت میں سے بعض ایسے ہیں جو کسی وقت بھی خلیفہ کو غلط راستے پر ڈال سکتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ اس وقت تاتاری بغداد کے کئی سرکردہ لوگوں کو خرید چکے ہوں گے۔

ثریا نے کہا۔ لیکن عبدالملک کے متعلق آپ کی رائے یہ تھی کہ وہ بہت ہوشیار آدمی ہے۔ اگر کوئی خطرے کی بات ہوتی تو وہ یقیناً سلطان کو بغداد جانے کا مشورہ نہ دیتا۔

طاہر نے کہا۔ خدا کرے کے ان کی نیک نیتی کے متعلق عبدالملک کا اندازہ غلط ثابت ہو۔

شام کے وقت جب شیخ کو طاہر کی تیاری کا علم ہوا تو اس نے بتایا کہ میں صرف تمہاری موجودگی کی وجہ سے دہلی میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اب میں مدینے کی طرف روانہ ہو جاؤں گا اور وہاں سے حج کے بعد دمشق یا کسی اور جگہ جانے کا فیصلہ کروں گا۔

خلیفہ نے طاہر کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ بیٹا! جب تک تم واپس نہیں آؤ گے، ہم مدینے میں ہی قیام کریں گے۔ ہم تمہارا گھر بھی دیکھیں گے۔

طاہر نے کہا میں زید کو آپ کے پاس چھوڑ جاتا ہوں۔ وہ آپ کو ہمارے گھر لے جائے گا اور مجھے یقین ہے کہ آپ کم از کم کچھ عرصہ کے لیے ان کے مہمان بننا قبول کریں گے۔

حنیفہ نے کہا۔ ثریا نے اگر پسند کیا تو ہم اسے وہیں چھوڑ جائیں گے۔

شیخ نے کہا۔ ثریا نے مجھ سے کہا ہے کہ سلطان جلال الدین کو فوج کے لیے روپے کی ضرورت ہے۔ بلخ، سمرقند اور بخارا میں میرا بہت نقصان ہوا ہے تاہم میں ایک لاکھ دینار دیتا ہوں۔ تم یہ سلطان کے پاس پہنچا دو۔

سلطان التمش نے بھی اس کی مدد کے لیے مجھ سے کہا تھا۔

رخصت کی دن سلطان التمش نے جلال الدین کی مدد کے لیے اشرفیوں کا ایک صندوق دیا اور طاہر کو ملتان تک پہنچانے اور صندوق کی حفاظت کے لیے سواروں کا ایک دشتہ اس کے ساتھ روانہ کر دیا۔

بدعہدی

راستے میں کرمان، اصفہان اور دوسرے مقامات کے امراء تاتاریوں کی حوصلہ افزائی سے اپنی خودمختاری کا اعلان کر چکے تھے۔ سلطان جلال الدین نے آئندہ کے لیے اطاعت اور فرماں برداری کا وعدہ لے کر ان کی گزشتہ خطائیں معاف کیں اور جنگ کے لیے تیاری کا حکم دے کر بغداد کا رُخ کیا۔

بغداد سے واپس آ کر عبدالملک سلطان کو یقین دلا چکا تھا کہ تاتاریوں کا خطرہ بغداد سے بہت قریب دیکھ کر خلیفہ کا خط بھی بہت حوصلہ افزا تھا لیکن طاہر، تیمور ملک اور سلطان کے چند اور ساتھی پوری طرح مطمئن نہ تھے۔

تیمور ملک نے سُلطان کو مشورہ دیا کہ وہ چند دن بغداد کی حدود سے باہر قیام کریں اور چند آدمیوں کو بغداد بھیج کر تازہ حالات معلوم کریں۔ ممکن ہے کہ خلیفہ آپ کو دُور رکھ کر مدد کیلئے تیار رہو لیکن اسے آپ کا بغداد میں داخل ہونا گوارا نہ ہو۔

اس قسم کے تمام اعتراضات کے جواب میں سلطان نے کہا۔ خلیفہ نے دشمن کے مقابلے میں ایک ہوجانے کی دعوت پر لبیک کہا ہے۔ انہوں نے ہمارے مکتوب کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ دوسرے سلاطین کو متحد ہوتا دیکھتے ہی اپنی افواج ہماری مدد کے لیے بھیج دیں گے اور دوسرے سلاطین نے ہماری مدد کے لیے یہ شرط کی ہے کہ انہیں خلیفہ کے تعاون کا یقین دلا جائے۔ اس صورت میں ہمارے لیے یہی راستہ ہے کہ ہم بغداد چلے جائیں اور خلیفہ کی طرف سے شام، مصر اور مراکش کے سلاطین کے نام یہ پیغام بھجوائیں کہ جہاد میں انہیں ہمارا ساتھ دینا چاہیے۔ اگر خلیفہ کی نیت صاف نہ بھی ہو تو بھی ہمیں یقین ہے کہ وہ بغداد میں ہم پر ہاتھ نہیں اُٹھا سکے گا۔ اگر رائے عامہ کے خوف سے ایک عرصہ کے لیے وہ طاہر اور

اس کے ساتھیوں کی سرگرمیاں نظر انداز کرنے پر مجبور ہو گئے تھے تو ہمارے خلاف بھی وہ زیادہ سے زیادہ یہی سوچ سکیں گے کہ ہمیں تنگ کر کے بغداد چھوڑنے پر مجبور کیا جائے اور ہم کو اس کی پروا نہیں لیکن ہمیں تنگ کر کے بغداد چھوڑنے پر مجبور کیا جائے اور ہم کو اس کی پروا نہیں لیکن ہمیں یہ یقین ہے کہ خلیفہ سے پہلی ملاقات میں ہی ہم ان کے تمام شبہات دُور کردیں گے، ہم ان سے کہیں گے کہ آپ ہمارے باپ کی غلطیاں معاف نہیں کر سکتے تو ہمیں سزا دے لیجیے ۔ لیکن مسلمانوں کو تاتاریوں کی غلامی سے بچایئے! ہمیں خوارزم کا سلطان سمجھنے کی بجائے ایک ایسا انسان سمجھیے جو اسلام کی ناموس کے لیے آپ کے جھنڈے تلے ایک سپاہی کی حیثیت میں لڑنا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتا ہے۔

طاہر نے کہا۔ ان سب باتوں کے باوجود اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میری رائے یہی ہے کہ آپ مجھے اور عبدالملک کو بغداد بھیج دیں۔ ہم چند دنوں میں حالات کا صحیح جائزہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے ۔ خلیفہ اور ان کے حکام جو سلوک ہمارے ساتھ کریں گے، اس سے ان کی نیت ظاہر ہو جائے گی ۔ اگر ہم واپس نہ آئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمیں آپ کی طرف داری کے جرم کی پاداش میں گرفتار کرلیا گیا ہے اور آپ کے متعلق بھی ان کا ارادہ نیک نہیں اور اگر ہم واپس آ گئے تو آپ کو بغداد کے تمام حالات سے آگاہ کرسکیں گے۔

سلطان جلال الدین نے اس رائے سے اتفاق کیا اور طاہر، عبدالملک اور مبارک کو بغداد جانے کی اجازت دے دی۔ طاہر کے ساتھ بغداد سے آئے ہوئے رضاکاروں میں سے تیس نوجوانوں کو بھی چند دنوں کے لیے بغداد جانے کی اجازت مل گئی۔

(۲)

شام کے وقت بغداد کے وزیراعظم نے صفیہ کو اپنے کمرے میں بلایا اور اس کے ہاتھ میں ایک خط دیتے ہوئے کہا۔ بیٹی! پورے دس سال خلیفہ کی خدمت کرنے کے بعد مجھے کسی پر اعتبار نہیں رہا اور نہ ہی مجھے امید ہے کہ کوئی مجھ پر اعتبار کرتا ہوگا۔ میرا سب سے بڑا گناہ شاید یہ تھا کہ بعض معاملات میں خُدا کی مرضی کے خلاف خلیفہ کے اشاروں پر چلتا رہا۔ لیکن عالمِ اسلام پر عبرت ناک تباہی لانے کے لیے میں خلیفہ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ سنو! جلال الدین خوارزم شاہ خلیفہ سے اعانت کی توقع پر بغداد آرہا ہے۔ میرے اصرار پر خلیفہ نے اسے ایک حوصلہ افزا خط لکھا تھا اور مجھے یہ اطمینان تھا کہ میرا یہ فعل شاید میری گزشتہ تمام غلطیوں کا کفارہ ہو سکے گا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کو ہماری بھلائی منظور نہیں۔ آج ہو منافق اور غدار مہلب بن داؤد تاتاریوں کا خاص ایلچی بن کر بغداد پہنچ گیا ہے۔ اسکے ساتھ چند تاتاری سردار بھی ہیں۔ خلیفہ تاتاریوں سے پہلے ہی مرعوب تھا، مہلب نے اس کے رہے سہے اوسان خطا کر دیے ہیں۔ خلیفہ کو اس نے سمجھایا ہے کہ اگر تم جلال الدین کو پکڑوا کر تاتاریوں کے حوالے کر دو تو بغداد تباہی کی آگ سے بچ جائے گا اور چنگیز خان کے جانشین تمہیں ہمیشہ عزت و احترام سے دیکھیں گے، خلیفہ کی تسلی کے لیے تاتاریوں سے انعام کی توقع میں چند مفتیوں نے بھی یہی فتویٰ دے دیا ہے کہ تاتاریوں کو خُدا نے زمین کے وسیع حصے پر حکومت عطا کی ہے۔ ان کی مخالفت خدا کی مرضی سے بغاوت ہے اور جلال الدین کے مذہبی عقائد درست نہیں۔ اس لیے بغداد کے لوگوں پر اس کی اعانت فرض نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مہلب چند دن پہلے سے یہاں سرگرم عمل تھا لیکن مجھے اس کی آمد کا صرف اس وقت پتہ چلا جب وہ چند

تاتاری سرداروں کے ساتھ خلیفہ کے دستر خوان پر بیٹھنے کا شرف حاصل کر چکا تھا۔

میں نے خلیفہ کو سمجھانے کی کوشش کی ہے لیکن مہلب کی باتوں سے متاثر ہو کر خلیفہ خدا سے زیادہ تاتاریوں سے ڈرتا ہے۔ آج رات پھر خلیفہ نے مجھے اور فوج کے چند عہدیداروں کو ملاقات کی دعوت دی ہے اور مجھے امید ہے کہ آج خلیفہ کے محل میں مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ سلطنت کے بڑے بڑے عہدیداروں میں سے کوئی بھی خوارزم شاہ کی مدد کر کے تاتاریوں کی دُشمنی مول لینے کے حق میں نہیں لیکن میں آخری فرض ادا کروں گا۔ آج میں قاسم کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن وہ بہت دُور ہے۔ میں تمہیں ایک بڑا کام سونپ کر جا رہا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ خلیفہ کو ناراض کر کے بہت کم لوگ اس کے محل سے زندہ نکل کر اپنے گھر پہنچتے ہیں۔ شاید میرا انجام بھی ان سے مختلف نہ ہو۔ اگر میں آدھی رات تک گھر نہ آسکوں تو تم سعید کو بُلا کر یہ خط اس کے حوالے کر دو۔ اور اسے یہ ہدایت کرو کہ وہ جس قدر جلدی ممکن ہو اسے جلال الدین کے پاس پہنچا دے کیونکہ اگر خلیفہ نے جلال الدین کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا تو مجھے یقین ہے کہ وہ آج رات ہی فوج بھیج دے گا اور مجھے وہ اخفائے راز کے ڈر سے گھر آنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ میں نے سعید کو سمجھا دیا ہے۔ وہ طاہر کے پُرانے رفقاء میں سے چند نوجوانوں کو جمع کر کے اصطبل کے قریب میرے حکم کا انتظار کرے گا۔ ابھی تک میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ اسے کس مہم کے لیے بھیجا جائے گا اور ضرورت کے بغیر میں ایسا اہم مراسلہ اس کے سُپرد کرنا بھی نہیں چاہتا۔ ممکن ہے کہ خلیفہ میری بات مان لے اور جلال الدین کو یہ مراسلہ بھیجنے کی ضرورت نہ پڑے۔ بہر حال اگر میں آدھی رات تک نہ آسکا تو بغداد کے وزیر اعظم کی زندگی کا آخری فرض اس کی بھتیجی پورا کرے گی

۔سعید اور طاہر کے دوسرے ساتھ مجھ سے زیادہ تمہارا اعتبار کرتے ہیں۔

صفیہ نے کہا۔آپ اطمینان رکھیے میری طرف سے کوتاہی نہیں ہوگی۔

وزیراعظم نے مسکراتے ہوئے کہا۔مجھے تم پر بھروسہ ہے۔اگر قاسم بھی یہاں ہوتا تو بھی شاید اس کام کے لیے میری نگاہ تم پر ہی پڑتی۔

وزیراعظم شاہی محل کی طرف چل دیا۔

(۳)

عشاء کی نماز سے تھوڑی دیر بعد وزیراعظم کے محل میں کہرام مچا ہوا تھا۔محل کے تمام نوکر اس کے گرد جمع تھے۔اس کے سینے اور پسلیوں کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔

وزیراعظم نے ہوش میں آکر آنکھیں کھولیں اور نحیف آواز میں سوال کیا۔میں یہاں کیسے پہنچا؟

ایک نوکر نے جواب دیا۔آپ دروازے پر پہنچ کر گر پڑے تھے،ہم آپ کو یہاں اُٹھالائے۔

اور وہ نوکر جو میرے ساتھ تھے؟

ایک نوکر نے آگے بڑھ کر کہا۔مجھے معمولی زخم آئے ہیں۔حامد قتل ہوگیا ہے!

تم نے انہیں پہچانا؟

جی میں نے مہلب کو پہچان لیا تھا۔جب آپ خلیفہ کے محل سے باہر نکلے تھے تو وہ آپ کے ساتھ تھا۔ہم دونوں سیڑھیوں سے نیچے چند قدم کے فاصلے پر آپ کا انتظار کر رہے تھے۔جب آپ نیچے اتر رہے تھے تو چار نقاب پوش آدمیوں نے درختوں کے سائے سے نکل کر آپ پر حملہ کر دیا۔

آپ مُڑ کر دروازے کی طرف بھاگے لیکن مہلب نے آپ کا راستہ روک کر آپ پر خنجر کے دو تین وار کر دیے اور مدد کے لیے شور مچانا شروع کر دیا۔ حامد مجھ سے آگے تھا، اس نے مہلب پر حملہ کیا لیکن وہ ایک طرف ہو کر بچ گیا اور حامد ایک نقاب پوش کی تلوار سے گھائل ہو کر گر پڑا۔ میں نے آگے بڑھ کر ایک نقاب پوش کو مار گرایا۔ باقی تین نقاب پوش مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ میں نے ایک اور کو بھی گرا دیا۔ اتنی دیر میں خلیفہ کے محل کے سپاہی باہر نکل آئے اور مہلب نے جلدی سے سیڑھیوں پر چڑھ کر کہا ۔سپاہی آ رہے ہیں ۔ بھاگ جاؤ۔ وہ بھاگ گئے تو میں آپ کی طرف متوجہ ہوا۔ آپ وہاں سے محل کا رُخ کر رہے تھے۔ میں بھاگ کر آپ کے پاس پہنچا اور چند قدم آپ کے ساتھ چل کر اس خیال سے رُک گیا کہ مبادہ وہ آپ کا تعاقب کریں۔ جب مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ آپ محل کے قریب پہنچ چکے ہیں تو میں بھی آ گیا۔

وزیر اعظم نے کہا۔ سعید کہاں ہے؟

سعید نوکروں کو اِدھر اُدھر ہٹا کر وزیر اعظم کے بستر کے قریب آ کھڑا ہوا۔ وزیر اعظم نے اپنی بیوی، صفیہ، سکینہ اور سعید کے سوا باقی تمام نوکروں کو کمرے سے نکل جانے کا حکم دیا۔

جب کمرہ خالی ہو گیا تو اس نے سعید سے کہا۔ تمھارے ذمہ جو کام ہے وہ صفیہ تمھیں بتا دے گی، تمھارے ساتھی تیار ہیں؟

جی ہاں!

وزیر اعظم پھر اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہوا۔ میرے بعد تمھارے لیے بغداد چھوڑ کر مصر چلے جانا بہتر ہو گا۔ میں صرف تھوڑی دیر کا مہمان ہوں۔

صفیہ نے کہا۔ چچا! میں نے ابھی تک آپ کو ایک بات نہیں بتائی۔

طاہر زندہ ہے۔اور اگر آپ کا انتقام کسی اور نے نہ لیا تو وہ ضرور لے گا۔

بیٹی! سچ کہو، میرے دل پر ایک بہت بڑا بوجھ تھا۔

ہاں یہ سچ ہے۔اسے مردہ سمجھ کر دریا میں پھینک دیا گیا تھا۔یہ سعید کو بھی معلوم ہے۔

وزیر اعظم نے جواب طلب نگاہوں سے سعید کی طرف دیکھا اور اس نے کہا۔

جی ہاں وہ زندہ ہے!

وزیر اعظم نے صفیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔صفیہ بیٹی! میرے جانے سے پہلے خلیفہ تیس ہزار سپاہی سلطان کو گرفتار کرنے کے لیے روانہ کر چکا تھا۔اب تمہیں اپنا فرض پورا کرنا ہے وہ۔۔۔۔آج رات کافی دُور جا چکے ہوں گے۔۔۔۔۔۔۔

سکینہ! مجھے تمہارے ساتھ باتیں کرنے کے لیے کبھی فرصت نہ ملے۔۔۔۔۔۔۔

آج میرے پاس بیٹھ جاؤ۔۔۔۔۔!

سکینہ آنسو بہاتی ہوئی اس کے قریب بیٹھ گئی۔وزیر اعظم نے چند ثانیے اس کی طرف دیکھنے کے بعد آنکھیں بند کر لیں اور درد سے کراہنے لگا۔تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور اشارے سے پانی مانگا۔سعید نے اسکی گردن کو ہاتھ کا سہارا دے کر اٹھایا اور صفیہ نے پانی کا پیالہ اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

پانی کا ایک گھونٹ پینے کے بعد وہ آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔سکینہ نے کہا۔

انہیں غش آ گیا ہے۔

سعید نے جلدی سے اس کا مُنہ کھولا اور صفیہ کو پانی ڈالنے کے لیے کہا۔

صفیہ نے اس کے منہ میں پانی ڈالا لیکن وہ حلق سے نیچے اُترنے کی بجائے باچھوں سے باہر آ گیا۔وزیر اعظم نے آنکھیں کھولیں اور چند بار اُکھڑے اُکھڑے

سانس لینے کے بعد ہمیشہ کی نیند سو گیا۔

سکینہ اور چچی کو اس کی لاش کے ساتھ لپٹ کر روتے ہوئے چھوڑ کر صفیہ آنسو بہاتی ہوئی باہر نکل آئی۔ سعید اس کے پیچھے تھا۔

میں آپ کے حکم کا منتظر ہوں۔ اس نے کہا۔

صفیہ نے جواب دیا۔ ٹھہرو! میں ابھی آتی ہوں۔

تھوڑی دیر بعد صفیہ اپنے کمرے سے نکلی۔ اس نے سواری کا لباس پہنچا ہوا تھا اور اس کی کمر سے تلوار لٹک رہی تھی۔ اس نے ایک خادمہ کے ہاتھ میں ایک رُقعہ دیتے ہوئے کہا۔ صُبح یہ رُقعہ سکینہ کو دے دینا!

سعید حیرانی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ بولی۔ چلو سعید!

لیکن آپ ہمارے ساتھ جائیں گی؟

ہاں! میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ چچا نے کہا تھا کہ یہ ان کی زندگی کا آخری اور اہم ترین فرض ہے اور میں اسے پورا کرنا چاہتی ہوں۔

لیکن آپ کو مجھ پر اعتبار کرنا چاہیے۔

مجھے تم پر اعتبار ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ شاید تمہاری طرف سے کسی پیغام کو اہمیت نہ دیں۔ اس کے علاوہ مہلب مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔ میں یہاں ٹھہر کر اس گھر کی سیاہ بختی میں اور اضافہ نہیں کروں گی۔

سُورج نکلنے سے تھوڑی دیر بعد طاہر اور اس کے ساتھی ایک پہاڑی علاقے سے گُزر رہے تھے۔ ایک کشادہ وادی میں داخل ہوتے ہی انہیں سامنے کی پہاڑیوں سے آنے والی پگ ڈنڈی پر آٹھ دس سوار سرپٹ آتے ہوئے دکھائی دیے، جنکے پیچھے پچاس کے لگ بھگ سواروں کا ایک اور دستہ آ رہا تھا۔

طاہر غور سے دیکھنے کے بعد عبدالملک کی طرف متوجہ ہوا۔ معلوم ہوتا ہے وہ بھاگنے والوں کا تعاقب کر رہے ہیں۔ ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے!

عبدالملک نے کہا۔ وہ پیچھے سے تیر بھی چلا رہے ہیں۔ وہ دیکھیے، ایک آدمی زخمی ہو کر گر رہا ہے۔ وہ دو حصوں میں تقسیم ہر کر ان کے گرد گھیرا ڈال رہے ہیں اور وہ آٹھ دس آدمی صرف جان بچا کر بھاگنا چاہتے ہیں۔ لڑنا نہیں چاہتے۔ ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔

طاہر نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور بلند آواز میں کہا۔ جلدی! وہ ان کے نرغے میں آنے والے ہیں۔

آن کی آن میں طاہر اور اس کے ساتھی پہاڑی سے اُتر کر وادی میں پہنچ گئے۔ طاہر نے بلند آواز میں کہا۔ عبدالملک! وہ دیکھو سب سے آگے شاید ایک عورت ہے۔ تم اسے بائیں طرف سے گھیرنے والے سواروں کو روکو! میں دائیں طرف جاتا ہوں۔ وہ دونوں سے ان کی تیروں کی زد میں آچکے ہیں۔ ان کے لیے پگ ڈنڈی چھوڑ دو۔ اگر انہوں نے ہمیں بھی تعاقب کرنے والوں کا ساتھی سمجھ کر اِدھر اُدھر مُڑنے کی کوشش کی تو وہ مارے جائیں گے۔

طاہر کے ساتھیوں نے دو حصوں میں تقسیم ہو کر تعاقب کرنے والوں کا راستہ روک لیا اور بھاگنے والے انہیں اپنے مددگار سمجھ کر کچھ دُور جانے کے بعد رُک گئے۔ طاہر نے آگے بڑھ کر بلند آواز میں پوچھا۔ تم ان لوگوں کا تعاقب کیوں کر رہے ہو؟

اس کے جواب میں تعاقب کرنے والوں میں سے ایک شخص نے جس کا سر اور چہرہ آہنی خود میں چھپا ہوا تھا اور اپنے لباس سے بغداد کی فوج کا افسر معلوم ہوتا تھا، آگے بڑھ کر کہا۔ یہ خوارزم شاہ کے جاسوس ہیں۔ تم ہمارا راستہ مت روکو!

تم خلیفہ کے سپاہی معلوم ہوتے ہو۔شاید تمہیں معلوم نہیں کہ خلیفہ اور خوارزم شاہ کے درمیان ایک دوستانہ معاہدہ ہو چکا ہے۔

یہ باتیں ہم بہتر جانتے ہیں۔تم ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ!ورنہ ہم تمہیں ہٹنے پر مجبور کر دیں گے۔!

نہیں، جب تک ہمیں معلوم نہ ہو کہ انہوں نے کیا جرم کیا ہے۔ہم ان کی حفاظت کریں گے۔

ہمیں شک ہے کہ وہ خوارزم شاہ کے پاس جا رہے ہیں۔

تمہیں محض شک کی بنا پر لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی اور خوارزم شاہ کے پاس جانا جرم نہیں۔

تو پھر مقابلے کے لیے تیار ہو جاؤ!

طاہر نے جواب دیا۔مسلمان کی جان بہت قیمتی ہے۔بہتر یہی ہے واپس چلے جاؤ۔تم تعداد میں پندرہ بیس زیادہ ہو لیکن میرے ساتھ وہ سپاہی ہیں جو کئی میدانوں میں اپنے بازو آزما چکے ہیں۔ہم تمہیں اطمینان دلاتے ہیں کہ ہم خلیفہ کے دشمن نہیں۔تم یہیں ٹھہر جاؤ۔میں ایک آدمی ان کی طرف بھیجتا ہوں۔اگر وہ ہماری تسلی نہ کر سکے تو ہم انہیں خود پکڑ کر بغداد لے جائیں گے۔طاہر نے عبدالملک کو اشارے سے اپنے قریب بلایا اور کہا۔آپ جا کر دریافت کیجئے،وہ کون ہیں؟

فوجی افسر نے کہا۔لیکن تم کون ہو؟

طاہر نے جواب دیا۔گھبراؤ نہیں۔ہم مسلمان ہیں۔تاتاری نہیں۔

اگر تم تاتاری ہوتے تو ہمارا راستہ کبھی نہ روکتے!

خوف کے باعث یا دوستی کی وجہ سے؟

افسر نے قدرے تذبذب کے بعد گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔تمہارا لہجہ اور تمہاری آواز کسی ایسے آدمی سے ملتے ہیں جسے میں جانتا تھا۔وہ بھی تمہاری طرح ہر معاملے میں ٹانگ اڑایا کرتا تھا۔

شاید میری صورت بھی اس سے ملتی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں ہی وہ آدمی ہوں۔

وہ مر چکا ہے!

کبھی کبھی مردے بھی زندہ ہو جایا کرتے ہیں!

تم بالکل طاہر بن یوسف کی طرح بولتے ہو!

طاہر بن یوسف مر چکا ہے اور آج اس کا ایک دوست اس کا پیچھا کرتے کرتے ملک عدم کی حدود میں پاؤں رکھ چکا ہے۔تمہاری آواز اور تمہارا لہجہ ایک ایسے آدمی سے ملتا ہے جس نے عہدے کے لالچ میں اپنے دوستوں کو پکڑوانے کا وعدہ کیا تھا۔

تم کون ہو؟

اگر تم دوستوں کو بھول جانے کے عادی نہیں تو شاید مجھے پہچان لو۔

طاہر نے یہ کہتے ہوئے خود اُتار دیا۔

طاہر۔۔۔۔۔۔تم۔۔۔۔۔؟

ہاں۔افضل کیا تم مجھے اپنی صورت نہیں دکھاؤ گے؟

ابھی تمہیں شک ہے تو ذرا آگے آجاؤ!

لیکن تمہیں تو۔۔۔۔۔۔؟

ہاں مجھے زہر دیا گیا تھا لیکن ہر زہر مہلک نہیں ہوتا!

طاہر خدا شاہد ہے کہ میں اس سازش میں شریک نہ تھا اور تمہیں پکڑوانے کے لیے میں نے کوئی سازش نہیں کی!

طاہر نے خود سر پر رکھتے ہوئے کہا۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہیں پکڑوانے کا موقع ہی نہ ملا۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اب تم کس نیت سے یہاں پہنچے ہو اور یہ لوگ جن کا تم پیچھا کر رہے ہو، کون ہیں؟

میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔ صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم نے میرا راستہ روک کر سپہ سالار کے احکام میں مداخلت کی ہے؟

سپہ سالار! وہ کہاں ہے!

میں یہ نہیں بتا سکتا۔

تو تمہاری خیر اسی میں ہے کہ واپس چلے جاؤ۔

تم جانتے ہو کہ میں بزدل نہیں

جب تک تم غدار نہ تھے میری یہی رائے تھی لیکن غداری اور بہادری ایک ہی وجود جمع نہیں ہو سکتیں۔

مجھے صرف ان لوگوں کے تعاقب کا حکم تھا۔ اگر راہ چلتوں پر تلوار اُٹھانے کی اجازت ہوتی تو تم مجھے بزدلی کا طعنہ نہ دیتے!

جب تم جانتے ہو کہ ہماری لاشیں روندے بغیر تم ان کا پیچھا نہیں کر سکتے تو تم واپس کیوں نہیں چلے جاتے؟

افسر نے کوئی جواب نہ دیا اور تذبذب کی حالت میں اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنی دیر میں عبدالملک گھوڑا دوڑاتا ہوا طاہر کے قریب پہنچا اور افضل کی طرف نیزہ تان کر حملے کے لیے تیار ہو گیا۔

طاہر نے کہا۔عبدالملک لڑائی کی ضرورت نہیں، یہ ہمارے دوست افضل ہیں اور غالباً واپس جانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔

عبدالملک نے جواب دیا۔یہ اب اپنے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔افضل تیار ہو جاؤ!

نہیں۔نہیں عبدالملک ٹھہرو! طاہر چلایا لیکن عبدالملک نے اس کی طرف توجہ دیے بغیر گھوڑے کو ایڑ لگا کر افضل پر حملہ کر دیا افضل نے بچاؤ کی کوشش کی لیکن عبدالملک کا نیزہ اس کے سینے کے آر پار ہو گیا۔

طرفین پر ایک لمحہ کے لیے سکتہ طاری ہو گیا۔عبدالملک گھوڑا موڑ کر ان کے درمیان آ کھڑا ہوا اور افضل کے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بلند آواز میں بولا۔

تم میں سے اور کون ہے جو خلیفہ کا نمک حلال کرنا چاہتا ہے؟ یہ خشک زمین منافقوں، بُزدلوں اور غداروں کے خُون کے لیے ترس رہی ہے۔میری طرف دیکھو، میں عبدالملک ہوں شاید تم میں سے اکثر مجھے پہچانتے ہوں۔عبدالملک نے ایک لمحہ کے لیے خود اُتار کر پھر سر پر رکھتے ہوئے کہا۔اے کاش! تم جینا اور مرنا جانتے۔تم کمزور کے سامنے شیر اور طاقتور کے سامنے بھیڑیں بن جاتے ہو۔تم عورتوں پر تیر برساتے ہو لیکن مردوں کو دیکھ کر تمہارے ہاتھ کانپتے ہیں۔جاؤ جا کر اپنے سپہ سالار سے کہو کہ جس جنگل میں وہ شکار کھیلنے آتا ہے وہاں خرگوش نہیں، چیتے رہتے ہیں۔خوارزم شاہ کے ساتھ چند آدمی ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک ہزاروں سے لڑنا جانتا ہے۔جاؤ اگر مجھے یہ احساس نہ ہوتا کہ ہماری تلواریں تمہارے خون سے شرمائیں گی تو میں شاید تمہیں بھاگنے کا موقع نہ دیتا۔

افضل کے ساتھی یکے بعد دیگرے کھسکنے لگے اور تھوڑی دیر میں میدان خالی ہو

گیا۔

عبدالملک طاہر کے قریب آیا۔اس کے چہرے سے وحشت ٹپک رہی تھی۔

جلدی چلیے،صفیہ آپ کا انتظار کر رہی ہے!

صفیہ!

چلیے وہ زخمی ہے۔

طاہر نے دُوسرا سوال کیے بغیر گھوڑا سرپٹ چھوڑ دیا۔

پہاڑی پر چڑھتے ہوئے جب گھوڑے کی رفتار کم ہوئی تو اس نے عبدالملک سے سوال کیا۔وہ کہاں ہے؟

میں انہیں اس پہاڑی کے پیچھے ندی کے کنارے چھوڑ آیا ہوں۔

زخم خطرناک تو نہیں؟

اسے دو تیر لگے ہیں۔ایک کا زخم معمولی ہے لیکن دوسرا بُری طرح اسکی پسلی میں پیوست تھا۔میں نے نکال دیا ہے۔لیکن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔!

لیکن کیا؟

خدا خیر کرے۔

(۵)

صفیہ پتھر سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔سعید اسے پانی پلا رہا تھا۔طاہر کو دیکھا تو وہ اُٹھ کھڑی ہوگئی۔وہ گھوڑے سے کود پڑا۔صفیہ چند قدم آگے بڑھی لیکن آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔وہ لڑکھڑا کر گرنے کو تھی کہ طاہر نے بھاگ کر اسے اپنے بازوؤں کا سہارا دیا اور آہستہ سے زمین پر لٹا دیا۔

صفیہ!تم یہاں کیوں آئیں؟ طاہر نے دردبھری آواز میں کہا۔

صفیہ نے اپنے چہرے پر ایک مغموم مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ اب ان باتوں کا وقت نہیں۔ دیکھیے یہ ندی کس قدر چھوٹی ہے لیکن اس کا پانی کس قدر شفاف ہے۔ دریائے وجہ بہت بڑا ہے لیکن اس کے گدلے پانی سے اکتا گئی تھی۔ آپ کے گاؤں کے نخلستانوں میں بالکل اس قسم کی ندیاں بہتی ہوں گی۔ ٹھنڈے میٹھے اور شفاف پانی کی ندیاں۔ میں ان کی تلاش میں یہاں پہنچ گئی۔

طاہر نے چند ساتھی اس کے قریب آ پہنچے عبدالملک انہیں کر لے ایک طرف ہو گیا۔

صفیہ نے کہا۔ آپ مغموم کیوں ہیں۔ میری طرف دیکھیے۔ میں خوش ہوں۔ ہاں، میں اس ندی کے متعلق کہہ رہی تھی۔ اگر میں مر جاؤں تو مجھے اس ندی کے کنارے چھوڑ جایئے۔

نہیں۔ نہیں صفیہ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ تمہارے زخم معمولی ہیں میں تمہیں ان نخلستانوں مین لے جاؤں گا جن میں ٹھنڈے، میٹھے اور شفاف پانی کی ندیاں بہتی ہیں۔ اب حوادث کے طوفان کی کوئی لہر ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکے گی!

صفیہ نے کہا۔ اور ہم ہر صبح گھوڑوں پر سوار ہو کر صحرا کی طرف سیر کے لیے جایا کریں گے۔

ہاں صفیہ! میں وعدہ کرتا ہوں۔

اور میں آپ کے ساتھ نیزہ بازی کی مشق کیا کروں گی اور پھر میں نخلستانوں میں پھول تلاش کیا کروں گی۔ اور جب آپ لڑائی کے لیے جایا کریں گے تو میں ریت کے ٹیلوں پر چڑھ کر آپ کی راہ دیکھا کروں گی۔

ہاں صفیہ!

صفیہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔اس نے ہچکی لیتے ہوئے کہا۔اب مجھے موت کا کوئی غم نہیں۔آپ میرے ہیں! آپ میرے ہیں!! اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

صفیہ! صفیہ!! طاہر نے آب دیدہ ہو کر کہا۔

صفیہ نے آنکھیں کھولیں لیکن کوئی جواب نہ دیا۔طاہر نے عبدالملک کو آواز دی۔وہ بھاگتا ہوا آگے بڑھا۔طاہر نے کہا۔اسے غش آگیا ہے۔پانی لاؤ!

پانی کے چند گھونٹ حلق سے اُتارنے کے بعد صفیہ کے چہرے پر کچھ تازگی آگئی۔اس نے نحیف آواز میں کہا۔شاید میں سوگئی تھی۔اس نخلستان میں۔۔۔۔۔۔۔شفاف پانی کا چشمہ پھوٹ رہا تھا۔۔۔۔۔۔میں وہاں کھڑی تھی۔۔۔۔۔اور آپ گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں جارہے تھے۔کہیں۔۔۔۔۔بہت۔۔۔۔۔۔دُور۔ اس نے پھر آنکھیں بند کرلیں۔اس کے چہرے پر نیلاہٹ چھارہی تھی۔۔۔۔۔۔۔وہ آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔آپ دیر نہ لگائیں۔فوج یہاں سے۔۔۔۔۔ایک منزل۔۔۔۔۔دور۔۔۔۔۔!

عبدالملک نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھا اور پھر طاہر کی طرف دیکھ، اور انا للہ وانا الیہ راجعون، کہہ کر سر جھکا دیا۔طاہر دنیا و مافیہا سے بے خبر اس محبت و وفا کے پیکر مُجسّم کی طرف دیکھ رہا تھا۔عبدالملک نے صفیہ کے چہرے پر اپنا رومال ڈال دیا اور طاہر کو بازو سے پکڑتے ہوئے کہا۔طاہر! اُٹھو! حوصلے سے کام لو!

طاہر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔وہ عبدالملک کی طرف دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔عبدالملک نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے ہاتھ پھیلا دیے۔طاہر بے اختیار اس کے ساتھ لپٹ کر سسکیاں لینے لگا۔

عبدالملک نے کہا۔ طاہر! شاید دنیا میں کوئی انسان اس قابل نہ تھا جس کے لیے وہ زندہ رہتی!

تھوڑی دیر بعد طاہر کے ساتھی ندی کے کنارے اس کی لاش کو پتھروں کے انبار کے نیچے دفن کر چکے تھے۔ طاہر نے چند جنگلی پھول چُنے اور صفیہ کی قبر پر بکھیر دیے۔

عبدالملک نے کہا۔ چلو طاہر۔ اب دیر ہو رہی ہے۔

طاہر نے گھوڑے پر سوار ہو کر سعید سے پوچھا۔ سپہ سالار کتنی فوج کے ساتھ آ رہا ہے۔

بیس ہزار کے ساتھ!

طاہر نے عبدالملک سے کہا۔ وزیر اعظم کا خط مجھے دو!

طاہر نے خط پر سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد کہا۔ تو مہلب وہاں پہنچ چکا ہے۔ اب بغداد کا خدا حافظ!

عبدالملک نے کہا۔ مجھے ڈر ہے کہ سلطان نے ہمارے مشورے کے خلاف بغداد کا رُخ نہ کر لیا ہو۔ ہمیں ان کے پاس جلد پہنچنا چاہیے۔

چلو! طاہر نے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے کہا۔

راستے میں سعید سے چند سوالات پوچھنے کے بعد طاہر کو پتہ چلا کہ وہ راستے میں سپہ سالار کی فوج سے کترا کر نکل آئے تھے لیکن ہراول کے ایک دستے نے انہیں ایک پہاڑی پر سے گزرتے دیکھ کر تعاقب شروع کر دیا تھا۔

انٹرنیٹ ایڈیشن دوم سال 2006 www.Nayaab.Net

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے ساتھ قریباً اڑھائی ہزار جانباز تھے۔

بغداد سے قشمور کی قیادت میں بیس ہزار سپاہیوں کی آمد کی خبر سنتے ہی اس نے دو ہزار سپاہیوں کو گھات میں بٹھا دیا اور خود پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ آگے بڑھ کر ایک پہاڑی پر خلیفہ کی افواج کا انتظار کرنے لگا۔ اسی اثنا میں اسے کبر ملی کے خلیفہ کا ایک اور سالار مظفر الدین دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ شمالی مشرق سے اس کے گرد گھیرا ڈالنے کے لیے یلغار کر رہا ہے۔

وزیر اعظم کا مکتوب پڑھنے اور طاہر، عبد الملک اور سعید سے چند سوالات پوچھنے کے بعد جلال الدین کو یقین ہو چکا تھا کہ خلیفہ کے سپاہی اسے ہر قیمت پر گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے۔ اگر وہ یہاں سے بچ کر نکل گیا تو بھی وہ اس وقت تک اس کا تعاقب کریں گے جب تک وہ تاتاریوں کے ہاتھ نہیں آجاتا۔

جب قشمور کی فوج دکھائی دی تو سلطان نے طاہر کے ہاتھ میں صلح کا جھنڈا دے کر اسے صُلح کی بات چیت کے لیے بھیج دیا۔

طاہر نے قشمور کے سامنے یہ درخواست پیش کی کہ اول تو بغداد جانے کے لیے راستہ نہ روکا جائے۔ سلطان کو یقین ہے کہ خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ اس کی غلط فہمیاں دور کرے گا ورنہ اسے یہاں ٹھہر کر خلیفہ سے پیغام رسانی کا موقع دیا جائے اور اگر یہ دونوں درخواستیں ناقابلِ قبول ہوں تو سلطان واپس جانے کے لیے تیار ہے بشرطیکہ اس کا پیچھا نہ کیا جائے۔

قشمور جلال الدین کے ساتھ صرف پانچ سو آدمی دیکھ کر اپنی قوتِ تسخیر کا مظاہرہ کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ اس نے بے اعتنائی سے جواب دیا۔ ہمارا پہلا اور آخری فیصلہ یہی ہے کہ سلطان اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دے ورنہ مقابلہ کے لیے تیار

ہو جائے۔

طاہر نے اسے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن قشمور نے سُنی ان سُنی ایک کر دی۔اس نے اس کے باقی جرنیلوں سے اپیل کی لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔طاہر نے مایوس ہو کر کہا۔ میں تمہارے پاس دوستی اور محبت کے پھول لے کر آیا تھا لیکن تم عداوت کے کانٹوں کے لیے دامن پھیلا رہے ہو۔ میں صُلح کا ایلچی بن کر آیا تھا لیکن تم جنگ چاہتے ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری خواہش پوری کی جائے گی۔ افسوس! سب کچھ کھو بیٹھنے کے باوجود مسلمان اس بات پر فخر کر سکتے تھے کہ دنیا میں ان جیسا مہمان نواز کوئی نہیں لیکن آج یہ سعادت بھی اہل بغداد سے چھن گئی۔جلال الدین لڑائی سے نہیں ڈرتا لیکن آج وہ تلوار جو بار ہا تاتاریوں کے خون میں ڈوب چکی ہے۔مسلمانوں کی تلواروں سے ٹکراتے ہوئے یقیناً شرمائے گی۔خدا معلوم اس لڑائی کا نتیجہ کیا ہو گا تم گواہ ہو کہ ہم اس کے لیے تیار نہیں تھے۔ یہ ہمارے سر تھوپی جا رہی ہے۔

قشمور نے کہا۔جاؤ ہمیں اس لڑائی کا نتیجہ معلوم ہے اور ایک ساعت کے اندر اندر تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا۔

طاہر نے گھوڑے کی باگ سنبھالتے ہوئے کہا۔ مجھے صرف ایک بات معلوم ہے اور وہ یہ کہ خوارزم کی طرح بغداد کی عظمت کے دن بھی گِنے جا چکے ہیں اور ہم میں سے کسی ایک کی فتح دونوں کی شکست ہو گی!

طاہر نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور آن کی آن میں سلطان کے پاس پہنچ گیا۔

قشمور کی فوج کے عرب سپاہیوں کے لیے مہمان نوازی کے متعلق طاہر کا طعنہ نا قابلِ برداشت تھا۔ان میں سے اکثر نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ لڑائی میں حصہ نہیں لے

گے۔ ایرانی اور ترک سرداروں میں سے بھی بعض تذبذب تھے اس لیے قشمور نے موقع کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے فوراً حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔

جلال الدین نے اپنے عقب میں چھپی ہوئی فوج کو ہدایت بھیج کر قشمور کی فوج کا مقابلہ کیا۔ بغداد کی فوج کے قلب اور دونوں پہلوؤں پر چند حملے کرنے کے بعد اُس نے پسپائی شروع کر دی۔ قشمور نے یہ سمجھتے ہوئے کہ سُلطان میدان چھوڑ کر بھاگ رہا ہے۔ اس کا پیچھا کیا۔ سُلطان رُک رُک کر لڑتا ہوا قشمور کی فوج کا بیشتر حصہ ان دُشوار گزار پہاڑیوں میں لے آیا جہاں اس کے تیر انداز گھات لگائے بیٹھے تھے۔ اچانک اپنے آگے پیچھے، دائیں اور بائیں پتھروں اور تیروں کی بارش دیکھ کر قشمور نے محسوس کیا کہ اس نے سلطان کی فوج کی تعداد کا اندازہ لگانے میں دُور اندیشی سے کام نہیں لیا۔ تنگ گھاٹیوں میں وہ اپنی فوج کے نصف سے زیادہ سپاہیوں کی لاشیں چھوڑ کر پیچھے مُڑا۔ واپسی پر قریباً تین کوس تک راستے کے ہر ٹیلے سے تیروں اور پتھروں کی بارش میں سے گزرنے کے بعد اس نے دوبارہ مُڑ کر دیکھنے کی جراءت نہ کی۔

چند کوس قشمور کا تعاقب کرنے کے بعد سُلطان واپس چلا آیا۔ راستے میں مُظفر الدین کے دس ہزار سپاہیوں سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی۔ مُظفر الدین کی فوج قمشور کی شکست کے بعد بد دل ہو چکی تھی۔ اس نے معمولی مقابلے کے بعد ہتھیار ڈال دیے۔

ان فتوحات کے بعد رضا کاروں کے دستے جوق در جوق سُلطان کی فوج میں داخل ہونے لگے اور چند ماہ میں اس کے سپاہیوں کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی۔ تبریز کو گورنر تاتاریوں کا حلیف تھا۔ سلطان نے اُسے غداری کی سزا دینے کے لیے

تبریز کی طرف پیش قدمی کی۔ گورنر تا تاریوں کی مدد کا انتظار کیے بغیر بھاگ گیا اور سلطان نے شہر پر قبضہ کرلیا۔ تبریز پر قابض ہونے کے بعد سلطان نے آس پاس کے چند اور علاقے فتح کیے۔ اس اثنا میں اُسے بغداد کے خلیفہ الناصر الدین اللہ کی وفات اور اُس کے بیٹے ظاہر کی مسند نشینی کی خبر ملی۔

ایک اور کوشش

ناصر کی وفات کی خبر ملتے ہی سُلطان نے طاہر اور عبدالملک کو بُلا کر نئے خلیفہ ظاہر کی عادات و خصائل کے متعلق چند سوالات پوچھے ۔ طاہر نے سلطان کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ میں ظاہر سے صرف ایک بار ملا ہوں ۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ ایک کمزور آدمی ہے لیکن بد طینت نہیں ۔ وہ اپنے باپ کی طرح تا تاریوں کو اپنا دوست نہیں سمجھتا۔

عبدالملک نے کہا میں اسے مُدت سے جانتا ہوں مجھے یقین ہے کہ وہ عالمِ اسلام کے اتحاد کا بہت حامی ہے ۔ جہاں تک خیالات کا تعلق ہے، وہ اپنے باپ کی ضد ہے لیکن وہ اپنے اِرادوں کو عملی جامہ پہنانے والوں میں سے نہیں ۔ تاہم بغداد میں اگر کوئی صحیح رہنمائی کرنے والا ہو تو اس سے بہت کام لیا جا سکتا ہے!

سلطان نے کہا میرے خیال میں تم دونوں اس کے لیے بہترین مُشیر بن سکتے ہو۔ اگر میں تمہیں اپنے ایلچی بنا کر اس کے پاس بھیجوں تو وہ یقیناً تمہاری باتوں پر توجہ دے گا۔ بغداد میں تا تاریوں کا اثر و رُسوخ بہت بڑھ چکا ہے اور بغداد کی غیر جانب داری کے باعث اہلِ مصر اور شام ہمارا ساتھ دینے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے ۔ تم بغداد جاؤ ۔ خلیفہ ظاہر کو تا تاریوں کے خلاف تمام اسلام ممالک کی رہنمائی کے لیے آمادہ کرو اور انہیں یقین دلاؤ کہ جب تم میں زندہ ہوں، تا تاریوں کی ساری توجہ اپنی طرف مبذول رکھوں گا۔ اگر وہ چاہیں تو اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر بغداد میں تمام اسلامی ممالک کی افواج اکٹھی کر سکتے ہیں اور انہیں یہ بھی بتاؤ کہ جس دن ہم بغداد، مصر، عرب اور شام کی افواج کے ساتھ تا تاریوں پر حملہ کریں گے، اسی دن ہندوستان میں ہمارا حلیف سلطان التمش تا تاریوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دے گا

اور ایران، ترکستان اور خراسان کے عوام جب تک دبے ہوئے ہیں، اچانک اُٹھ کھڑے ہوں گے ۔ مجھے اب یہ احساس ہوا ہے کہ مجھے اعانت کے لیے کسی کے پاس جانے کی بجائے یہاں رہ کر اپنا فرض پورا کرنا چاہیے ۔ اگر میں اس بے سرو سامانی کی حالت میں چند برس تاتاریوں کے ساتھ لڑتا رہا ہوں تو مجھے یقین ہے کہ مسلمان میری امداد کے لیے ضرور آئیں گے ۔ چند دنوں تک آذربائیجان سے دس پندرہ ہزار اور سپاہی میرے ساتھ آملیں گے اور فوج کی اتنی تعداد کے ساتھ میں انہیں کم ازکم دو برس اور پریشان کرتا رہوں گا۔ اس عرصہ میں تم سارے عالمِ اسلام کو جگا سکتے ہو!

ہم تیار ہیں۔ طاہر اور عبدالملک نے یک زبان ہو کر کہا۔

سلطان نے کہا۔ مبارک کو میرے پاس رہنے دو، وہ صرف ایک سپاہی ہے اور مجھے اس کی ضرورت ہے ۔

چند دن بعد طاہر اور عبدالملک بغداد پہنچ چکے تھے ۔ خلیفہ ظاہر نے ان کی آمد سے باخبر ہوتے ہی انہیں ملاقات کے لیے بلالیا۔

پہلی ملاقات کے بعد طاہر نے جلال الدین کے نام جو خط لکھا، اس کا مفہوم یہ تھا۔

خدا کا شکر ہے کہ ہمیں اپنی توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی۔

مہلب جو وزارتِ عظمٰی کا امیدوار تھا ۔ خلیفہ سے ہماری ملاقات کے بعد اچانک روپوش ہوگیا ہے۔ خلیفہ نے فوج کی تنظیم کا کام عبدالملک کے سپرد کردیا ہے اور میرے متعلق یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں ان کا ایلچی بن کر شام، مصر، عرب، مراکش اور اُندلس جاؤں ۔ میں کل ہی روانہ ہو جاؤں گا۔

حج چونکہ قریب تھا۔ اس لیے عبدالملک نے طاہر کو مشورہ دیا کہ تم سب سے پہلے مکہ جاؤ۔ وہاں ہر ملک کے مسلمان جمع ہوں گے اور تمہارے لیے جہاد کی تبلیغ کا بہترین موقع ہوگا، اس کے علاوہ راستے میں تم اپنے گھر بھی جا سکو گے۔

(۲)

ایک دن شام سے کچھ دیر پہلے زید ایک خوب صورت بچے کو اٹھائے نخلستان سے باہر کھلی فضا میں ٹہل رہا تھا۔ اچانک اسے کچھ فاصلے پر ایک سوار سرپٹ آتا ہوا دکھائی دیا۔ زید چند قدم آگے بڑھ کر اس کے راستے میں کھڑا ہوگیا۔ سوار نے قریب پہنچ کر گھوڑا روکا اور چہرے سے آہنی نقاب سرکا کر اوپر کر دیا۔ زید نے طاہر! طاہر!! کہتے ہوئے بھاگ کر ایک ہاتھ سے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ بچہ اس غیر متوقع ہلچل سے گھبرا کر ایک لمحہ کے لیے منہ بسورنے کے بعد بلک بلک کر رونے لگا۔

زید نے جلدی سے گھوڑے کی باگ چھوڑ کر اسے تھپکتے ہوئے کہا۔ واہ! اپنے ابا کو دیکھتے ہی میری شکایت شروع کر دی اور آپ کیا دیکھ رہے ہیں۔ گھوڑے سے اُتر کر اسے چُپ کیوں نہیں کراتے؟

طاہر نے گھوڑے سے اُتر کر بچے کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا بچہ اچانک خاموش ہوگیا اور اس کی طرف غور سے دیکھنے کے بعد اس کی چمکتی ہوئی زرہ پر ہاتھ مارنے لگا۔

میں گھر خبر دیتا ہوں۔ زید نے یہ کہہ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور نخلستان کی طرف بھاگنے لگا۔

طاہر نے آہستہ آہستہ چند قدم نخلستان کی طرف اٹھائے اور پھر رک کر بچے کی

طرف دیکھنے لگا۔ بچہ اب زرہ سے توجہ ہٹا کر خود کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا رہا تھا۔ طاہر نے سر جھکا دیا۔ بچے کے ننھے ننھے نرم اور خوب صورت ہیا تھ اس کے گالوں سے لگے، اس کے دل میں ایک لطیف اور خوش گوار دھڑکن پیدا ہوئی اور اس نے بچے کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیے۔ تھوڑی دیر کے لیے اس کی ساری توجہ اور محبت سمٹ کر بچے کے ننھے معصوم اور خوب صورت چہرے پر مرکوز ہوگئی۔ وہ بے اختیار اس کے گالوں، اُس کے ہونٹوں، اس کی پیشانی اور اس کی آنکھوں پر بوسے دے رہا تھا۔ میرا بیٹا! میری زندگی!! میری روح!!!

طاہر آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا گھر کے دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔

اگر آپ نے چند دن اس طرح پیار کیا تو یہ بگڑ جائے گا۔ طاہر نے چونک کر سامنے دیکھا۔ ثریا چند قدم کے فاصلے پر دروازے سے باہر ایک کھجور کے درخت کے نیچے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

ثریا میری۔۔۔۔۔۔؟

ثریا نے جلدی سے اپنے ہونٹوں پر اُنگلی رکھتے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ طاہر نے پریشان سا ہو کر دروازے کی طرف دیکھا۔ چند قدم دُور احمد بن حسن، شیخ عبدالرحمٰن سعیدہ اور خلیفہ صحن سے دروازے کی طرف آ رہے تھے۔ طاہر نے جلدی سے آگے بڑھ کر بچے کو ثریا کے سپُرد کیا اور مکان کے صحن میں داخل ہوا۔ گھر کے افراد اور طاہر کے درمیان ابھی آٹھ دس گز کا فاصلہ تھا کہ نخلستان کے ایک طرف سے اسماعیل اور امین بھاگتے ہوئے نمودار ہوئے اور طاہر کے ساتھ لپٹ گئے۔

اسماعیل ہانپتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ہم تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے کہ زید

نے آپ کے آنے کی خبر دی۔

جب گھر کے تمام افراد طاہر کے گرد حلقہ بنائے مکان کے ایک کشادہ کمرے میں داخل ہوئے تو اسماعیل نے شیخ کی طرف ایک شرارت آمیز تبسم سے دیکھتے ہوئے کہا۔نانا جان! آپ نے پہچانا انہیں؟ یہ بھائی طاہر ہیں!

شیخ غضب ناک ہوکر عصا بلند کرتے ہوئے چلایا۔ٹھہرو! نالائق!!اور اسماعیل بھاگتے ہوئے کئی گز دور جا کر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔حنیفہ زیرلب مسکرا رہی تھی لیکن حنیفہ اور سعید نہ تو شیخ کے غصے کی وجہ جان سکیں نہ اسماعیل کے قہقہوں کا راز۔

(۳)

عشاء کی نماز کے بعد طاہر کے ارادوں سے واقف ہوکر ثریا نے حج اور اس کے بعد اسلامی ممالک کی تبلیغی مہم میں طاہر کا ساتھ دینے کی خواہش ظاہر کی۔

سعیدہ نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ثریا کے متعلق میں جو کچھ سن چکی ہوں، اس سے میرا اندازہ ہے کہ وہ تمہاری بہت بڑی مددگار ثابت ہوگی۔

شیخ نے کہا۔مجھے اس پر اعتراض نہیں لیکن بچہ؟

سعیدہ نے کہا۔وہ میرے پاس رہے گا۔اب بھی وہ میرے سوا کسی اور کے پاس نہیں جاتا۔

سعیدہ کے اصرار پر حنفیہ اپنی نواسی کے بیٹے کو اُس کے پاس چھوڑنے پر رضا مند ہوگئی۔

اسماعیل جو ایک کونے میں کھڑا تھا۔بول اُٹھا۔میں حج کرنے کے بعد ان کے ساتھ جاؤں گا۔

شیخ نے کہا۔ چُپ رہو۔ یہ تمہاری تعلیم کا زمانہ ہے۔

احمد بن حسن نے کہا۔ آپ بے حد مصروف آدمی ہیں۔ بہتر ہو گا کہ آپ اسماعیل کی تعلیم و تربیت مجھے سونپ دیں۔ امین کے ساتھ اس کا دِل لگا رہے گا۔

شیخ نے کہا۔ میں چند دن سے یہی سوچ رہا تھا لیکن حیران ہوں کہ اس نالائق کے بغیر میرا دل کیسے لگے گا۔ میں اس کی شوخیوں اور شرارتوں کا عادی ہو چکا ہوں۔ میں جس قدر اس کے قہقہوں سے خفا ہوتا ہوں۔ اسی قدر انہیں سننے کے لیے بیقرار رہتا ہوں۔ یہ میرے بڑھاپے کی زندگی کا ایک جزو بن چکا ہے۔ بچپن میں یہ میرے جُوتے چھپا دیا کرتا تھا اور اب ان میں کھجوروں کی گٹھلیاں ڈال دیتا ہے۔ میں خفا ہوتا ہوں اور اس کے ساتھ ہی یہ سوچتا ہوں کہ اگر یہ اس قسم کی شرارتیں نہ کرتا تو میری زندگی کس قدر بے کیف ہوتی۔ لیکن تعلیم کے لیے مجھے اس کو آپ کے پاس چھوڑنا ہی پڑے گا۔ اِدھر آؤ اسماعیل!

اسماعیل ندامت سے سر جھکائے آگے بڑھا اور شیخ نے پیار سے اسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ بیٹا! میں حج کے بعد تمہیں یہاں چھوڑ دوں گا لیکن اس شرط پر کہ تم ہفتے میں دو بار شہر میرے پاس ضرور آیا کرو گے!

بیٹا! میرا کاروبار اتنا وسیع ہے کہ اسے سمیٹنے کے لیے بھی ایک مدت چاہیے!

تو میں ہر روز آپ کے پاس آیا کروں گا۔ شام کو میں اور امین گھوڑوں پر سوار ہو کر صحرا کی طرف جانے کی بجائے شہر چلے جایا کریں گے۔

بہت اچھا! میں ہر روز تمہاری طرف سے ایک نئی شرارت کے لیے تیار رہا کروں گا۔

نانا جان! اسماعیل نے آب دیدہ ہو کر کہا۔ مجھے معاف کیجیے۔ میں آئندہ کبھی

شرارت نہیں کروں گا!

نانا جان! اسماعیل نے آب دِیدہ ہو کر کہا۔ مجھے معاف کیجیے۔ میں آئندہ کبھی شرارت نہیں کروں گا!

رات کے وقت شیخ عبدالرحمٰن اپنے بستر پر نیم خوابی کی حالت میں لیٹا ہوا تھا۔ کمرے میں کسی کے پاؤں کی آہٹ پا کر اس نے کہا۔کون ہے؟

نانا جان! میں ہوں۔ اسماعیل نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟

نانا جان! ۔۔۔۔میں ۔۔۔۔۔!

ہاں کہو!

نانا جان! معاف کیجئے، آپ کے ساتھ آیندہ کوئی شرارت نہ کرنے کا وعدہ کرنے سے پہلے میں ایک شرارت کر چکا تھا۔

میرے موزوں میں پھر گٹھلیاں ڈال دی ہوں گی۔ اچھا جاؤ میں صبح نکال لوں گا۔

نہیں نانا جان! میں خود نکال دیتا ہوں۔

تھوڑی دیر شیخ کے بستر کے نیچے تاریکی میں ہاتھ مارنے کے بعد اسماعیل نے کہا۔نانا جان! اگر اجازت ہو تو شمع لے آؤں۔ مجھے تمام جُوتے نہیں ملے۔

شیخ نے کہا۔معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنی سعادت مندی کا ثبوت دینے پر تُلے بیٹھے ہو۔ جاؤ لے آؤ شمع!

اسماعیل دوسرے کمرے میں چلا گیا۔تھوڑی دیر بعد جب وہ شمع ہاتھ میں لے کر دوبارہ کمرے میں داخل ہوا تو اس کے ساتھ امین بھی تھا۔ اسماعیل نے امین کے

ہاتھ میں شمع دیتے ہوئے تمام جوتے اکٹھے کر کے اٹھا لیے۔ شیخ نے پریشان ہو کر سوال کیا۔ اب یہ تمام جوتے باہر کیوں لے جا رہے ہو؟

اسماعیل نے پریشان سا ہو کر جواب دیا۔ دھونے کے لیے نانا جان!

دھونے کے لیے؟

ہاں نانا جان! بات یہ ہے کہ آج میں نے ان میں گھٹلیوں کی بجائے رس دار کھجوریں ڈال دی تھیں۔

ٹھہرو نالائق! شیخ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

اسماعیل اور امین جلدی سے باہر نکل گئے۔

(۴)

سونے سے پہلے ثریا نے طاہر سے کہا۔ آپ نے ابھی تک اپنے بیٹے کا نام نہیں پوچھا؟

طاہر نے جواب دیا۔ میں نے دہلی سے رُخصت ہوتے ہوئے ایک نام بتا دیا تھا۔ تم نے عبدالعزیز کے سوا کوئی اور نام تو نہیں رکھ دیا؟

نہیں، میں نے یہی نام رکھا ہے!

طاہر نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔ وہ میرا بہترین دوست تھا۔

آپ نے ایک وعدہ پورا نہیں کیا۔

طاہر نے پوچھا۔ وہ کیا؟

ثریا نے اپنے ہاتھ کی انگوٹھی دکھاتے ہوئے کہا۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر آپ کو بغداد جانے کا موقع ملا تو۔۔۔۔۔؟

ثریا! یہ قصہ نہ چھیڑو!

میں شام سے آپ کو بہت پریشان دیکھ رہی ہوں۔آپ کے چہرے پر وہ پہلی سی بشاشت نہیں، بتائیے کیا ہوا؟

ثریا! یہ بہتر ہوتا کہ آج تم یہ قصہ نہ چھیڑتیں؟

مجھے معاف کیجئے۔اگر وہ میری وجہ سے آپ کے ساتھ خفا ہو گئی ہے تو میں خود بغداد جا کر اُسے منا لوں گی۔

طاہر نے دردبھری آواز میں کہا۔اسے منانا اب کسی کے بس میں نہیں۔وہ مجھ سے بہت دُور جا چکی ہے۔

کیا اس کی شادی کسی اور۔۔۔۔۔؟نہیں نہیں۔ثریا! وہ اس دُنیا میں نہیں۔

اوہ! معاف کیجئے۔

طاہر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔میں ذرا باہر گھوم آؤں۔اور وہ باہر نکل گیا۔چاندکی روشنی کھجور کے درختوں میں سے چھن چھن کر آ رہی تھی۔طاہر باہر نکل کر ایک گرے ہوئے درخت کے تنے پر بیٹھ گیا۔وہ چاند کی روشنی اور تاروں کی چھاؤں میں صفیہ کے ساتھ گزری ہوئی ملاقاتوں کا تصور کر رہا تھا۔چاند کی مسکراہٹوں اور ستاروں کے قہقہوں کے باوجود فضا میں ایک اُداسی سی محسوس کر رہا تھا۔وہ دیر تک بیٹھا رہا۔آخر کسی کے پاؤں کی آہٹ پا کر اس نے پیچھے مُڑ کر دیکھا اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

ثریا!

ثریا نے جھجکتے ہوئے کہا۔آپ مجھ سے خفا ہیں؟

نہیں ثریا! مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں پریشان کیا۔ثریا آگے بڑھی۔اس نے بے اختیار ہاتھ پھیلا دیے اور وہ اس سے لپٹ کر ہچکیاں لینے لگی۔

مجھے بتائیے، اُسے کیا ہوا؟ کاش میں اپنی جان پر کھیل کر اُسے واپس لا سکوں

۔ میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں لیکن آپ کے چہرے پر ہلکا سا ملال بھی برداشت نہیں کر سکتی ۔۔۔۔!

طاہر ثریا کو ساتھ لے کر پھر اسی درخت کے تنے پر بیٹھ گیا اور بولا ۔ثریا! تم میں وہ سب کچھ ہے جس کی ایک انسان تمنا کر سکتا ہے ۔کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ زندگی کے کسی حادثے نے مجھے تم سے بے پروا کر دیا ہے لیکن صفیہ کی موت ایک ایسا واقعہ نہیں جسے میں جلد بھول سکوں ۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری مسکراہٹ میرے ہر زخم کے لیے مرہم کا کام دے سکتی ہے لیکن صفیہ کی موت کے بعد اکثر میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ مجھے شاید اس دنیا میں خوش ہونے کا کوئی حق نہیں ۔ایک ایسی مسکراہٹ کی یاد جس میں اشکوں اور آہوں کے ہزاروں طوفان پنہاں تھے، مجھے ہمیشہ بے چین رکھے گی!

ثریا نے کہا۔ میں اس کے متعلق سُننا چاہتی ہوں ۔شاید آپ کے دل کا بوجھ ہلکا ہو سکے۔ میں مسرت کی مسکراہٹوں میں ہی نہیں ۔غم کے آنسوؤں میں بھی آپ کی شریک ہوں۔

تو سُنو!

طاہر صفیہ کی داستان حیات کے آخری ورق اُلٹ رہا تھا اور ثریا کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

جب طاہر نے یہ قصہ ختم کیا تو ثریا نے کہا۔ جب آپ اس مہم سے فارغ ہو کر بغداد جائیں تو میں آپ کے ساتھ جاؤں گی ۔میں اس ک اُدھورا کام پورا کروں گی ۔

(۵)

بغداد اور دوسرے اسلام ممالک کے شہروں سے حوصلہ افزا پیغامات نے سلطان جلال الدین اور اس کے سپاہیوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ سُلطان نے آذربائیجان پر یلغار کی اور بہت سے علاقے ان حکمرانوں سے چھین لیے جنہیں سلطان سے غداری کے صلے میں تاتاریوں نے حکومت عطا کی تھی۔ پھر اس نے گرجستان اور تفلیس کا رُخ کیا۔ تفلیس میں اس کی فتوحات کی رفتار حیرت انگیز تھی لیکن اچانک اسے کرمان سے براق حاجب کے باغی ہو جانے کی اِطلاع ملی۔ سلطان نے اپنے ساتھ تین ہزار سوار لیکر یلغار کرتا ہوا سترہ دن میں تفلیس سے کرمان پہنچا۔ براق حاجب نے معذرت کی اور اپنے وعدوں پر قائم رہنے کا یقین دلایا۔ سلطان واپسی پر چند روز اصفہان ٹھہرا۔ یہاں اسے خلیفہ ظاہر کی وفات اور خلیفہ مُستنصر کی جانشینی کی خبر ملی اور اسکے ساتھ ہی اسے یہ خبر ملی کہ تفلیس میں تاتاریوں کے ہاتھوں بکے ہوئے سرداروں نے پھر بغاوت کر دی ہے اور وہ عیسائیوں کی مدد سے آذربائیجان کے شہروں پر حملے کر رہے ہیں۔ سلطان یہ سُن کر یلغار کرتا ہوا آذربائیجان پہنچا اور چند ہفتوں میں باغیوں کی سرکوبی کرنے کے بعد تبریز لوٹ آیا۔

تبریز پہنچ کر سلطان کو معلوم ہوا کہ تاتاریوں کی ٹڈی دل افواج رے کی طرف پیش قدمی کر رہی ہیں۔ سلطان کے پاس فوج قوت سے زیادہ نہ تھی لیکن آئے دن اسے یہ خبریں موصول ہو رہی تھیں کہ طاہر کی کوششوں سے دُور دراز کے اسلامی ممالک سے رضا کاروں کے دستے بغداد میں جمع ہو رہے ہیں۔ بعض رضا کار براہِ راست تبریز کا رُخ کر رہے تھے۔

تاتاریوں کے رے پہنچ جانے کے بعد سلطان کو جاسوسوں نے اطلاع دی کہ تاتاری موصل کی طرف پیشقدمی کر کے بغداد اور دوسرے اسلامی ممالک سے اس کی رسدو کمک کے راستے منقطع کرنا چاہتے ہیں۔ سلطان نے یہ خدشہ بھی محسوس کیا کہ اگر تاتاری رے سے ہمدان پہنچ گئے تو ممکن ہے کہ وہ کردستان اور موصل تم ایک طویل دفاعی مورچہ بنانے کی بجائے سیدھے بغداد پر حملہ کردیں اور عالمِ اسلام کا یہ آخری مورچہ بھی نابود ہو جائے۔

چنانچہ سلطان نے تاتاریوں کی تمام توجہ اپنی طرف مبذول رکھنے کے لیے اصفہان کا رُخ کیا اور چند دن کی تیاری کے بعد وہاں سے رے کی طرف کوچ کر دیا۔

رے کے قریب تاتاریوں کے لشکر سے مقابلہ ہوا اور جان توڑ حملوں سے اس نے تاتاریوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن سلطان کے بھائی غیاث الدین نے جو فوج کی بائیں بازو کی قیادت پر فائز تھا۔ بدترین غداری کا ثبوت دیا اور اپنی فوج کے ساتھ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ تاتاریوں نے سلطان کی فوج کا ایک بازو خالی دیکھ کر قلب پر حملہ کر دیا اور اس کی فوج کے پاؤں اکھاڑ دیے۔ سلطان نے پیچھے ہٹ کر دوبارہ لشکر کو منظم کرنے کے بعد حملے کیے لیکن تاتاریوں کے لشکر کی تعداد اور غیاث الدین کی غداری نے اس کے سپاہیوں کو بددل کر دیا تھا۔ وہ فتح سے مایوس ہو کر فقط سلطان کے حکم کی تعمیل میں لڑ رہے تھے، تاتاریوں کی ایک فوج عقب میں پہنچ کر گھیرا ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

سلطان نے چاروں طرف سے مایوس ہو کر فوج کو پسپائی کا حکم اور مار دھاڑ کرتا ہوا میدان سے نکل گیا۔

تاتاریوں نے اصفہان تک سلطان کا تعاقب کیا لیکن صحرائے گوبی میں چنگیز خان کی وفات نے تمام شہزادوں اور سرداروں کو واپس ہونے پر مجبور کر دیا۔

واپس تبریز پہنچ کر سلطان نے عبدالملک کی وساطت سے خلیفہ مُستنصر کو خط لکھا کہ اب فیصلہ کن جنگ کا وقت آ گیا ہے۔ آپ تیار ہیں۔ تاتاریوں کے واپس آنے تک کوہ البرز سے لے کر آرمینیا تک انکے عیسائی حلیفوں کی گوشالی کے لیے میرے مُٹھی بھر سپاہی کافی ہیں۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد اگر مجھے بغداد آنے کی اجازت دی جائے تو میں تاتاریں کی دوبارہ دریائے جیحوں عبور کرنے تک ایک ناقابلِ تسخیر فوج منظم کر سکوں گا اور ہم تاتاریوں کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ لڑ سکیں گے اور خلیفتہ المسلمن کو کسی مصلحت کے تحت میرا بغداد آنا منظور نہ ہو تو میں بغداد کی حدوں سے باہر کسی شہر کو اپنا مستقر بنا کر بغداد کی افواج کا انتظار کروں گا۔

طاہر بن یوسف کی طرف سے سلطان کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ وہ مصر اور مراکش کے سلاطین سے امداد کا وعدہ لے کر واپس حلب پہنچ چکا ہے اور شام کے عوام اور امراء سے اسے امداد کی توقع ہے۔

سلطان نے اسے یہ پیغام بھیجا کہ تم شام میں اپنا کام ختم کرنے کے بعد فوراً ہندوستان روانہ ہو جاؤ اور سلطان التمش کو اس کے وعدے یاد دلاؤ!

جس وقت ہم منظم ہونے کے بعد ایران یا خراسان میں تاتاریوں کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ کرنے کا فیصلہ کریں گے، سلطان کو اطلاع بھیج دی جائے گی۔ اس صورت میں اگر سلطان التمش افغانستان کی طرف سے تاتاریوں پر حملہ کر دے تو ان کی توجہ بٹ جائے گی اور یہ ہمارے لیے بہت بڑی مدد ہو گی۔ بہتر ہو گا کہ جب تک یہ وقت نہ آئے تم ہندوستان میں رہو۔

کئی جنگیں لڑنے کے بعد سلطان جلال الدین آذر بائیجان کے شمال اور مغرب میں وسیع علاقوں پر قابض ہو گیا۔ اس کے سپاہی ان لامتناہی جنگوں سے دل برداشتہ ہو چکے تھے لیکن سلطان ان کے سامنے بار بار بغداد، مصر، مراکش، شام م عرب اور ہندوستان کی مدد سے تاتاریوں کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کا وعدہ دُہرا کر ان کا حوصلہ بڑھاتا رہا۔ اس کے علاوہ بعض مقامات سے رضا کاروں کے جتھے بھی پہنچ رہے تھے۔

بغداد کے متعلق عبدالملک کی اطلاعات بہت حوصلہ افزا تھیں لیکن تشویش کے بغیر نہ تھیں۔ خلیفہ مُستنصر فوج کی تنظیم کے لیے طاہر کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔ ترک رضا کاروں کی علاوہ اس نے بغداد میں آنے والے رضا کاروں کے لیے بھی اپنی فوج کے دروازے کھول دیے تھے۔ اس نے دریائے دجلہ کے کنارے ایک بہت بڑی فوجی درسگاہ بھی قائم کر دی تھی اور عبدالملک کو اس درسگاہ کا ناظمِ اعلیٰ بنا دیا تھا۔ یہ سب باتیں بہت حوصلہ افزا تھیں۔ لیکن عبدالملک نے سلطان کے نام اپنے چند مکتوبات میں بعض خدشات کا اظہار بھی کیا تھا۔ اسے سب سے بڑی شکایت یہ تھی کہ خلیفہ در پردہ سب کو تسلی دیتا ہے لیکن بغداد کے عوام کے سامنے سلطان کی حمایت کرنے سے گھبراتا ہے۔ تاتاریوں کا سفیر جو اس کے باپ کے عہد میں بغداد سے نکالا جا چکا تھا۔ اب پھر واپس آ گیا ہے اور خلیفہ کے ساتھ اس کی لمبی چوڑی ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ تاہم جب خلیفہ سے اس کی شکایت کی جاتی ہے تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہمیں تیاری کے لیے وقت چاہیے اور اس مقصد کے لیے تاتاریں کو غلط فہمی میں مبتلا رکھنا ضروری ہے۔

عبدالملک نے سلطان جلال الدین کو یہ بھی لکھا کہ تاتاری سفیر لوٹ مار کی

بے پناہ دولت کا ایک حصہ بغداد لے آیا ہے اور اس سے سلطنت کے عمال، علماء اور اہل الرائے طبقے کو خریدنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ بعض لوگ اعلانیہ طور پر تاتاریوں کے خلاف اعلانِ جہاد کی مخالفت کر رہے ہیں۔

لیکن جلال الدین مایوس ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ شمال مغرب کی مہم سے فارغ ہوتے ہی تبریز پہنچا۔ تبریز میں چند دن قیام کے بعد اسے اطلاع ملی کہ تاتاریوں نے چنگیز خان کے بیٹے تولائی خان کی قیادت میں دریائے سیحوں عبور کر لیا ہے اور ملتِ اسلامیہ کے چیدہ چیدہ غداروں کا وفد خلیفہ بغداد کے پاس بھیج دیا ہے۔

سلطان نے عبدالملک کے نام ایک طویل مراسلہ بھیج کر ہمدان کا رُخ کیا۔

آخری شکست

ملاقات کی درخواست کا جواب آنے پر عبدالملک خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خلیفہ نے عبدالملک کی خواہش کے مطابق اس کے ساتھ تخلیہ میں ملاقات کی۔

خلیفہ مستنصر نے جلال الدین کا مکتوب پڑھ کر تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا۔ تولائی خان نے پانچ لاکھ سپاہیوں کے ساتھ دریائے سیحوں عبور کر لیا ہے۔ اور ضرورت کے وقت شاید وہ پانچ لاکھ اور کمک منگوا سکیں۔ تمہارے خیال میں اس وقت سلطان جلال الدین کے پاس کتنی فوج ہوگی؟

عبدالملک نے جواب دیا۔ یہ درست ہے کہ سلطان جلال الدین کے پاس اس وقت بہت تھوڑی فوج ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس نے ساٹھ ستر ہزار سپاہیوں کے ساتھ افغانستان میں شیگی توتو کی دو لاکھ فوج کو عبرتناک شکست دی تھی اور اب مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ کرمان، آذربائیجان، قپچاق، تفلیس اور آرمینیا کے وسیع علاقوں پر قبضہ کر چکا ہے۔

خلیفہ نے کہا۔ اس وقت ہماری ساری فوج تین لاکھ ہے۔ فرض کرو اگر بغداد سے باہر کسی میدان میں شکست ہو جائے تو تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کا کیا حشر ہوگا؟

عبدالملک نے کہا۔ اگر خلیفۃ المسلمین آج ہی اعلان جہاد کر دیں تو میں یقین دلاتا ہوں کہ میں ایک ہفتے کے اندر اندر صرف اس شہر سے تین لاکھ رضا کار بھرتی کر دوں گا اور پھر آپ دیکھیں گے کہ مراکش سے لے کر عراق تک ان گنت سپاہی آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے ہوں گے۔ وہ صرف آپ کے اعلان کے منتظر ہیں۔ تاتاریوں نے آج تک ہم پر فتح حاصل نہیں کی، ہمارے انتشار سے فائدہ اٹھایا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ جس دن بغداد کی افواج ہمدان پہنچیں گی۔ اسی دن ہندوستان سے سلطان التمش بلخ تک پہنچ چکا ہوگا اور ترکستان، خراسان اور ایران کی بجھی ہوئی راکھ میں انتقام کے شعلے بھڑک اٹھیں گے اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ یہ حالت میں تاتاری دریائے جیحوں سے آگے بڑھنے کی جرات نہیں کریں گے۔

خلیفہ نے کہا۔ عبدالملک ہمیں ڈر ہے کہ اگر شکست ہوگئی تو بغداد کا انجام کیا ہوگا؟

فتح اور شکست خدا کے ہاتھ میں ہے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ ڈر سے آج تک کسی وک فائدہ نہیں پہنچ سکا۔ آپ سوچیے کہ جلال الدین اس وقت عالمِ اسلام کا آخری مورچہ سنبھالے ہوئے ہے۔ اگر یہ مورچہ ٹوٹ گیا تو ہم تاتاریوں کے سیلاب کو بغداد کی طرف بڑھنے سے نہیں روک سکیں گے۔ میں آپ سے صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ بغداد سے ہماری افواج کب روانہ ہوں گی۔ وقت بہت کم ہے اور یہ ضروری ہے کہ لڑائی سے کچھ عرصہ پہلے ہمارے افواج سلطان کے پاس پہنچ جائیں تاکہ وہ انہیں تربیت دے سکیں۔

لیکن ہمیں یہ بھی ڈر ہے کہ باہر کے ممالک نے ہماری مدد نہ کی تو تاتاری موقع پاتے ہی ہم پر ٹوٹ پڑیں گے۔

آپ اپنا فرض پورا کیجیے اور یقین رکھیے کہ دوسروں کو پیچھے رہنے کا موقع نہیں ملے گا۔

تمہیں معلوم ہے کہ بغداد کے اکثر علماء تاتاریوں کے خلاف اعلانِ جہاد کے مخالف ہیں؟

اکثر نہیں صرف چند اور انہیں علماء کہنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ ملت کے غدار

ہیں۔ جو اپنے ضمیر کی قیمت تاتاریوں کے سفارتخانے سے وصول کر چکے ہیں

لیکن عوام کی ایک بہت بڑی جماعت پر اُن کا اثر ہے۔

آپ کے اعلانِ جہاد کے بعد اُن کا اثر زائل ہو جائے گا۔

تمہیں معلوم ہے کہ ترکستان سے بھی چند علماء اور سرداروں کا وفد میرے پاس آیا ہے۔

مجھے معلوم ہے لیکن یہ صرف وہ لوگ ہیں جو قوم کے نوجوانوں کے خون اور قوم کی بہو بیٹیوں کی عصمت کی قیمت وصول کر چکے ہیں۔ جو قوم کسی کی تلوار سے مغلوب ہونے والی نہ تھی۔ اسے ان کی غداری نے مغلوب کیا ہے۔ لیکن امیر المومنین یہ بحث کا وقت نہیں۔ کیا ہم صرف اس لیے دائمی ذلت قبول کر لیں گے کہ ہم میں چند غدار پیدا ہو چکے ہیں؟ اور آپ کا کیا خیال ہے کہ جن لوگوں نے سلطان جلال الدین کے ساتھ غداری کی ہے وہ وقت آنے پر آپ کے ساتھ غداری نہیں کریں گے؟ وہ لوگ آپ کے پاس تاتاریوں کی دوستی کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ تاتاری مسلمانوں کے دوست ہیں تو انہیں بھی اپنا خیر خواہ سمجھیے اور اگر آپ یہ جانتے ہیں کہ تاتاریوں سے بڑھ کر اس وقت ہمارا کوئی دشمن نہیں تو آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ ہمارے بدترین غدار ہیں۔

عبدالملک تم ہمیشہ ہمیں اپنی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور کر دیا کرتے ہو لیکن یہ مسئلہ بہت نازک ہے۔ تاتاریوں کے ساتھ جنگ کی ذمہ داری اپنے سر لینے سے پہلے ہمیں بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔

عبدالملک نے بدحواس ہو کر خلیفہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تو کیا آپ کا ارادہ بدل چکا ہے؟ ہماری یہ تمام تیاریاں محض دکھاوا تھیں؟ آپ کو معلوم ہے کہ

سلطان نے بغداد کی اُمید پر ہندوستان چھوڑا تھا۔ آپ کے والد بزرگوار کی حوصلہ افزائی سے اس نے مایوسی کی تاریکیوں میں امید کے چراغ روشن کیے اور اس کے بعد اس نے صرف اس اُمید پر آج تک ہمت نہ ہاری کہ تاتاریوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے آپ اسے اپنا ایک وفادار سپاہی سمجھتے ہوئے اس کی مدد کریں گے۔ اب وہ ہمدان کے قریب پڑاؤ ڈال کر بغداد کی فوج کا انتظار کر رہا ہے اور اب تک ایک مُٹھی بھر جماعت صرف اس لیے اس کا ساتھ دے رہی ہے کہ آپ کی مدد سے وہ تاتاریوں سے انتقام لے سکیں گے۔ یاد رکھیے کہ بغداد سے مدد نہ پہنچنے پر وہ اپنا فرض پورا کرے گا اور آپ سے مایوس ہونے کے بعد یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے بعض ساتھی اس کا ساتھ چھوڑ جائیں لیکن تاتاریوں کی فتح کے بعد کوئی بھی دیانت دار مورخ یہ کہنے کی جرات نہیں کرے گا کہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کو تاتاریوں نے شکست دی، بلکہ وہ یہی کہیں گے کہ جب وہ آخری بار تاتاریوں کے نبرد آزما ہوا تھا تو اس کے بھائی اس کی تلوار چھین چکے تھے۔ اب یہ سوچنا آپ کا کام ہے کہ دنیا کی آپ کے متعلق کیا رائے ہو گی؟

خلیفہ نے کہا۔ تمہارا مطلب ہے کہ دنیا ہمیں اسلام کا دشمن سمجھے گی؟ نہیں۔ نہیں۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ خدا کے لیے یہ کہیے کہ میں آپ کی ذات سے سوءِ ظن کا مجرم ہوں۔ مجھے سزا دیجیے!

خلیفہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ چلو۔

کہاں؟ فوج کے مستقر ہیں؟

نہیں دوسرے کمرے میں۔ وہاں بہت سے لوگ جمع ہیں۔ شاید ہو تمہیں ہماری مجبوریوں کی وجہ سمجھا سکیں۔ خلیفہ نے یہ کہتے ہوئے تالی بجائی ایک غلام

کمرے میں داخل ہوا۔خلیفہ نے یہ کہتے ہوئے تالی بجائی ایک غلام کمرے داخل ہوا ۔خلیفہ نے کہا۔عبدالملک کو ہمارے دربار میں پہنچادو۔

(۲)

عبدالملک دربار میں داخل ہوا۔وہاں سلطنت کے چیدہ چیدہ عہدیداروں کے علاوہ شہر کے وہ علماء بھی تھے جو تاتاریوں کی حمایت اور خوارزم شاہ کی مخالفت میں فتوے شائع کر کے کافی شہرت حاصل کر چکے تھے۔خلیفہ کے مسند سے نیچے دائیں طرف شہزادہ مستعصم رونق افروز تھا اور اس کیساتھ علماء اور سرداروں کا وہ گروہ کرسیوں پر بیٹھا ہوا تھا جو ترکستان سے بغداد کے خلیفہ اور عوام کے نام تاتاریوں کی دوستی کا پیغام لے کر آیا تھا اور ان کے درمیان ایک جانی پہچانی صورت دیکھ کر عبد الملک کا خون کھولنے لگا۔یہ مہلب بن داؤد تھا۔عبدالملک کو اس سے قبل بغداد میں اس کی آمد کی خبر نہ تھی۔وہ ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

نقیب نے مسند کے عقب میں دروازے سے سر نکال کر خلیفہ کی آمد کا اعلان کیا اور حاضرین اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

خلیفہ نے مسند پر رونق افروز ہونے کے بعد عبدالملک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔عبدالملک ہم تمہاری باتیں سُن چکے ہیں۔تم یہ کہتے ہو کہ تاتاریوں کے خلاف اعلانِ جہاد ہمارا فرض ہے لیکن یہ معززین جن میں ترکستان کے قابلِ عزت علماء کا وفد بھی شامل ہے۔تمہاری اس تجویز کے مخالف ہیں۔ہم تمہیں ان سب کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کا موقع دیتے ہیں۔اگر تم انہیں قائل کر سکے تو ہم کل ہی افواج کو یہاں سے روانگی کا حکم دے دیں گے۔ورنہ ہمیں امید ہے کہ تم ان کے دلائل پر توجہ دو گے۔

عبدالملک کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ یہ سب کچھ اس کا منہ بند کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ تاہم اس نے کھڑے ہو کر ایک پُر جوش طویل اور مُدلل تقریر کی اور بیٹھ گیا۔

بغداد کے علماء کو معلوم تھا کہ عبدالملک اور اس کے ساتھی عوام کو مشتعل کرنا جانتے ہیں، اس لیے ان میں سے کسی نے فوراً اُٹھ کر جواب دینے کی جرات نہ کی۔ خلیفہ نے ارکانِ وفد کی طرف دیکھا لیکن وہ بھی عبدالملک کی تقریر کے بعد پریشان نظر آتے تھے۔ مہلب خلیفہ سے بولنے کی اجازت لے کر اُٹھا۔

وہ رائی کا پہاڑ بنانا جانتا تھا۔ شکست خوردہ ذہنیت کے لوگوں کو مایوسی کی آخری حد تک پہنچا دینا اس کے لیے مشکل کام نہ تھا۔ چنانچہ وہ تاتاریوں کو سینکڑوں کوس دور دیکھنے کی بجائے بغداد کی گلیوں اور بازاروں میں دیکھ رہے تھے۔ مہلب کی تقریر کے بعد ترکستان اور پھر بغداد کے چند علماء نے ان کی تائید میں تقریریں کیں اور آخر میں سپہ سالار اور مرائے سلطنت نے اپنے خیالات پیش کیے۔ کم وبیش سب کی رائے تھی کہ تاتاریوں کے خلاف جنگ کرنا خودکشی ہے۔

تقریروں کا دوسرا دور جلال الدین کی شخصیت اور اس کے مذہبی عقاید پر اعتراضات سے شروع ہوا۔ اختتام پر خلیفہ نے عبدالملک سے سوال کیا۔ کیوں عبدالملک! تمہاری تسلی ہوئی یا نہیں جب قوم کے رہنماؤں کی یہی رائے ہے تو ہم ان کے خلاف کیسے جا سکتے ہیں؟

عبدالملک اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ غصے سے کانپ رہا تھا۔ اس کی تقریر کا ہر لفظ سامعین کے لیے ایک چُبھتا ہوا نشتر تھا۔ اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔ خلیفہ حیران تھا کہ میں نے اُسے بولنے کا موقع کیوں دیا۔ عبدالملک کہہ رہا تھا۔ میری تسلی ہو چکی ہے۔ مجھے وہ چٹان نظر آ رہی ہے جس کے ساتھ قوم کی کشتی ٹکرا کر

پاش ہونے والی ہے لیکن آپ یا تو غلط فہمی میں مبتلا ہیں یا اپنے آپ کو جھوٹی تسلی دے رہے ہیں۔ یہ لوگ قوم کے رہنما نہیں اور تاتاریوں کی حمایت میں جو آواز انہوں نے یہاں بلند کی ہے وہ انکے دل سے نہیں پیٹ سے نکلی ہے۔ ترکستان کے ان آٹھ دس غداروں کو قوم کے علماء اور سردار کہنا ان ہزاروں علماء اور امراء کی توہین ہے جنہوں نے تاتاریوں کی غلامی پر موت کو ترجیح دی اور ہمارے شہر کے یہ بزرگ جو آج بڑے بڑے قیمت جبے پہن کر آپ کے دربار میں آئے ہیں۔ وہ ہیں، جو عوام کو اپنی صورت دکھانے سے شرماتے ہیں۔ ان سے پوچھیے۔ کیا ان میں سے کسی کی یہ جرات ہے کہ بغداد کی کسی مسجد کے منبر پر کھڑا ہو سکے؟ مجھے اجازت دیجیے تو میں ایک دن میں بغداد کے ہزاروں علماء اس محل کے سامنے کھڑے کر دوں اور ان میں سے ہر ایک تاتاریوں کے خلاف اعلانِ جہاد کی تائید کرے گا۔ قوم کے رہنما یہ نہیں جو قوم کو فروخت کر چکے ہیں۔ قوم کے رہنما وہ ہیں جو قوم کے لیے مرنا اور جینا جانتے ہیں۔ خلیفۃ المسلمین! میں جانتا ہوں کہ میری تقریریں بے سود ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ تاجر مسلمانوں کو تاتاریوں کے ہاتھ بیچ چکے ہیں۔ یہ لوگ جو آپ کو یقین دلا رہے ہیں کہ تاتاری اہلِ بغداد کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے نہیں توڑیں گے۔ میں انہیں یقین دلایا ہوں کہ جب تاتاریوں کی تلوار بے نیام ہوگی تو وہ سُرخ اور سفید خون میں تمیز نہیں کرے گی۔ یہ مدافعانہ جنگ میں ہمارا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں لیکن تباہی میں انہیں ہمارا حصے دار ضرور بننا پڑے گا۔ مجھے شاید بغداد چھوڑنا پڑے لیکن جب تک میں یہاں ہوں۔ میں ان نام نہاد علماء کو متنبہ کرتا ہوں کہ میرے خلاف فتوے شائع نہ کریں اور سلطنت کے ان عہدیداروں سے بھی یہی کہوں گا کہ وہ میرے راستے میں کانٹے نہ پھینکیں، میں انہیں کچلنا جانتا ہوں۔ بغداد میں ان

بزرگوں کی کوششوں کے باوجود ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں لاٹھی سے ہانکنا آسان نہ ہوگا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ بغداد کے اندر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ تاتاری، سلطان جلال الدین کا خیال چھوڑ کر یہاں آنا زیادہ مناسب خیال کریں۔ میں سرکاری افواج کو ورغلانے کی کوشش بھی نہیں کروں گا لیکن وہ رضا کار جو باہر سے صرف جلال الدین کی مدد کے ارادے سے آئے ہیں۔ میں انہیں وہاں بھیجنے میں حق بجانب ہوں۔ ممکن ہے کہ حکومتِ بغداد اور تاتاریوں کی مصالحت کے متعلق سنتے ہی وہ مایوس ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ بہر حال میں کوشش کروں گا کہ وہ جس مقصد کے لیے آئیں ہیں۔ اُسے پورا کریں۔

میں اب جاتا ہوں لیکن جانے سے پہلے ایک بات پر خلیفتہ المسلمین کی توجہ خاص طور پر مبذول کرانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ مہلب بن داؤد وحید الدین اور سابقہ وزیر اعظم کا قاتل ہے۔ میرا یہ کہنا بے سود ہے کہ اسے گرفتار کیا جائے لیکن خلیفہ کے محل سے نکلتے ہوئے کسی پر عقب سے حملہ کرنا، خواہ وہ خلیفہ کی اجازت سے ہو یا بغیر اجازت کے، ایک غیر شریفانہ فعل ہے اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں کچھ احتیاط کا بھی عادی ہوں۔ محل سے باہر اس وقت کم سے کم دس ہزار آدمی ہیں جو شام تک میرے واپس نہ جانے کی صورت میں محل کی تلاشی لینے کی کوشش کریں گے۔۔

۔۔ اب میں جاتا ہوں۔

محل سے باہر نکلتے ہوئے عبدالملک کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، وہ کہہ رہا تھا۔ ان پتھروں میں زندگی پیدا کرنا میرے بس میں نہیں۔ بغداد کی تباہی مقدر ہو چکی ہے۔

دروازے سے باہر آدمیوں کو ہجوم تھا۔ وہ اس کی زبان سے ایک اہم اعلان

سننے کے لیے بے قرار تھے لیکن وہ انہیں دیکھ کر چلنے کی بجائے بھاگ رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کسی نے راستہ روکنے کی جرأت نہ کی۔شام تک یہ خبر سارے شہر میں مشہور ہو چکی تھی کہ خلیفہ تاتاریوں میں دوستانہ معاہدہ ہو چکا ہے۔رضا کاروں کے دستے اپنے اپنے گھروں کو لوٹنے کی فکر کر رہے تھے۔

رات کے وقت،عبدالملک،سلطان جلال الدین اور طاہر بن یوسف کے نام طویل مراسلے لکھ رہا تھا اور اس کے مکان سے باہر بغداد کے کئی نوجوان اور فوجی درس گاہ کے طلبا پہرا دے رہے تھے۔

(۳)

سلطان جلال الدین ایک وادی میں پڑاؤ ڈالے بغداد کی افواج کا انتظار کر رہا تھا۔جوں جوں تاتاریوں کی افواج قریب آ رہی تھیں۔سلطان کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔ایک دن سلطان طلوع آفتاب سے کچھ دیر بعد جب معمول ایک پہاڑی پر چڑھ کر بغداد سے آنے والی پگ ڈنڈی کی طرف دیکھ رہا تھا۔اس کے ساتھ چند افسر بھی کھڑے تھے۔اُسے دُور ایک بلند پہاڑی کے دامن میں پندرہ بیس سوار دکھائی دیے۔تھوڑی دیر غور سے دیکھنے کے بعد سلطان خوشی سے چلا اُٹھا۔وہ آ گئے! وہ آ گئے!!وہ بغداد سے تین لاکھ فوج کی آمد کی خبر لا رہے ہیں۔دیکھا،تم کہتے تھے کہ عبدالملک کا جواب آنے میں چند دن اور لگیں گے لیکن میں کہتا تھا کہ اگر آدھی رات کے وقت بھی میرا ایلچی بغداد پہنچا تو عبدالملک اسی وقت خلیفہ کو جگا کر میرے مکتوب کو جواب حاصل کرے گا۔تم خلیفہ کے متعلق شکوک ظاہر کیا کرتے تھے لیکن میں یہ کہتا تھا کہ ابھی خلیفہ کے خاموش رہنے میں بہت سے مصلحتیں ہیں۔ہم اب تولائی خان کو وہی سبق دیں گے جو ہم نے افغانستان میں شیگی تو تو کو دیا تھا۔خلیفہ

کے ایلچی آ رہے ہیں۔فوج کے تمام سپاہیوں کو حکم دو کی خیموں سے باہر نکل کر اُن کا خیر مقدم کریں!

تھوڑی دیر بعد سلطان کے سپاہیوں کی مختصر سی جماعت قطاریں باندھے کھڑی تھی۔سوار قریب پہنچ کر گھوڑوں سے اُترے۔سلطان نے اپنے چند سالاروں کے ساتھ آگے بڑھ کر انکا خیر مقدم کیا اور کہا۔تم بہت جلد پہنچے۔تم سب میری طرف سے خلعت کے حق دار ہو۔

ایک شخص نے آگے بڑھ کر عبدالملک کا مراسلہ پیش کیا۔سُلطان نے کہا۔یہ مراسلہ پڑھنے سے پہلے میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ بغداد کی افواج کب وہاں سے روانہ ہوں گی؟

وہ ایک دوسرے کی طرف پریشان ہو کر دیکھنے لگے۔سلطان نے مراسلہ کھولتے ہوئے کہا۔تمہیں یقیناً ان باتوں کا علم نہیں ہو گا۔عبدالملک بہت محتاط آدمی ہے۔

مراسلہ پڑھتے وقت سلطان کا چہرہ زرد پڑ گیا۔اس کی حالت اس شخص کی سی تھی جس پر اچانک بجلی گر پڑی ہو۔وہ اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔مراسلہ اس کے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے گر پڑا۔وہ مسکرایا لیکن اس کی مسکراہٹ آنسوؤں سے کہیں زیادہ دردناک تھی۔

اس نے بھرآئی ہوئی آواز میں کہا۔مجھے معلوم تھا لیکن مایوسی کی انتہا انسان کو خود فریبی کا عادی بنا دیتی ہے۔میں ریت پر محل تعمیر کر رہا تھا۔مبارک! عبدالملک کا خط پڑھ کر ان سب کو سُناؤ اور اس کے بعد جو جانا چاہیں، انہیں میری طرف سے اجازت ہے۔میں طاقت کے خلاف لڑ سکتا ہوں۔مایوسی کے خلاف لڑ سکتا ہوں لیکن

قدرت کے خلاف نہیں لڑ سکتا۔ مجھے قدرت سے شکایت نہیں۔ ہم پر قدرت کا یہ احسان معمولی نہ تھا کہ اُس نے مُٹھی بھر انسانوں کو کئی برس تک تاتاریوں کا سیلاب روکنے کی ہمت دی لیکن جب مسلمان ہی بیدار نہیں ہوتے۔ جب وہ اجتماعی زندگی پر انفرادی موت کو ترجیح دینا چاہتے ہیں تو قدرت سے کیا شکایت؟ قدرت کسی کے لیے اپنا قانون نہیں بدلتی۔

سلطان نے ایلچیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ تم جاؤ! عبدالملک نے مجھے لکھا ہے کہ وہ چند دن تھوڑے بہت سپاہی لے کر میرے پاس پہنچ جائے گا۔ اُسے کہو کہ اب اس کا آنا بے سود ہوگا۔

سلطان اپنے خیمے میں چلا گیا۔ شام تک چند جاں نثاروں نے کئی بار اس سے ملنے کی کوششیں کی لیکن خیمے کے دروازے پر پہرے دار ہر بار انہیں یہ کہہ کر روک دیتا کہ سلطان سو رہا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ جب تک میں نہ بلاؤں، میرے پاس کوئی نہ آئے۔

چند دن کے بعد سُلطان نے آذربائیجان کا رُخ کیا۔

(۴)

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ تبریز کے شمال مغرب میں ایک پہاڑی قلعے میں مقیم تھا۔ تاتاریوں کا لشکر اس کے تعاقب میں طہران تک پہنچ چکا تھا لیکن پہاڑوں پر شدید برف باری کے باعث مشرق اور جنوب سے تاتاریوں کی فوری پیش قدمی کا خطرہ نہ تھا۔ سلطان کے ساتھی ایک ایک کر کے رُخصت ہو چکے تھے اور اب اس کے ساتھ ڈیڑھ سو کے قریب صرف وہ لوگ تھے جن کا دُنیا میں کوئی ٹھکانا نہ تھا اور جو زندگی اور موت میں اس کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

سلطان زیادہ وقت تنہائی میں گزارتا۔ دنیا میں اس کی تمام دلچسپیاں ختم ہو چکی تھیں۔ تیمور ملک اور دوسرے جاں نثاروں کی شہادت کے بعد اسے حوصلہ اور تسلی دینے والا بھی کوئی نہ تھا۔ وہ صرف جینے کے لیے جی رہا تھا۔

بغداد سے حوصلہ شکن پیغام کے بعد اُس نے زندگی کی حقیقتوں سے کنارہ کش ہونے کے لیے شراب نوشی شروع کردی۔ ہوش کا ہر لمحہ اپنے لیے ناقابلِ برداشت سمجھتے ہوئے وہ مدہوش رہنے لگا اور جب مدہوشی کی حالت میں بھی تلواروں کی جھنکار کا تصور اسے پریشان کرتا تو وہ رقص وسرور کی محفل آراستہ کرنے کا حکم دیتا۔ لیکن اسے سکون نصیب نہ ہوتا اور وہ اپنے ساتھیوں سے کہتا۔ شراب اور راگ بغداد کے امراء کو زندگی کی تلخ حقیقتوں سے بیگانہ کردیتے ہیں۔ لیکن مجھے ان سے بھی سکون حاصل نہیں ہوتا۔

کبھی کبھی وہ اپنے ساتھیوں سے کہتا۔ میں ایک بہت بڑا مینار ہوں جس کی بنیادیں ہل چکی ہیں۔ تم یہاں سے چلے جاؤ! مجھے ڈر ہے کہ جب میں گروں گا تم نیچے دب جاؤ گے۔ کبھی وہ قلعے کا دروازہ کھلوا کر باہر نکل جاتا اور پہروں برف باری کے طوفان میں پہاڑیوں پر گھومتا رہتا۔ کبھی وہ شراب کا جام ہونٹوں تک لے جا کر پھینک دیتا اور صراحیاں توڑ ڈالتا۔ کبھی ہو کونے میں پڑی ہوئی تلوار اُٹھاتا۔ اسے نیام سے نکال کر دیکھتا اور اپنے کسی ساتھی کو بلا کر کہتا۔ دیکھو، یہ میرا منہ چڑا رہی ہے نہیں شاید میری طرح یہ بے جان لوہا بھی مضطرب ہے۔ شاید اسے بھی خود فراموشی کی ضرورت ہے۔ جاؤ! اسے شراب کے مٹکے میں ڈبو دو!

ایک دن برف پڑ رہی تھی۔ قلعے کے اندر سلطان کے سامنے رقص وسرور کی محفل گرم تھی۔ شراب کے دور چل رہتے تھے۔ دروازے کے پہرے دار نے آ کر

اطلاع دی کہ بغداد سے عبدالملک آپ کو تلاش کرتا ہوا یہاں آ پہنچا ہے ۔ اور وہ حاضرِ خدمت ہونے کی اجازت چاہتا ہے ۔

سلطان نے تلخ لہجے میں کہا۔ عبدالملک! وہ یہاں کیسے پہنچا؟ اسے اب مجھ سے کیا کام ہے؟ اور کون ہے اُس کے ساتھ؟

پانچ سپاہی اور ہیں!

تم نے اسے یہ کیوں بتایا کہ ہم یہاں ہیں؟

میں نے کہا تھا کہ آپ یہاں نہیں لیکن وہ پاس کی بستی سے ایک رہنما اپنے ساتھ لایا ہے ۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ آذربائیجان میں کئی ہفتے بھٹکنے کے بعد اُس نے بڑی مشکل سے آپ کا سُراغ لگایا ہے ۔

ایک شخص نے کہا۔ سلطانِ معظم! ممکن ہے کہ وہ بغداد سے کوئی اچھی خبر لایا ہو ۔

سلطان نے چلا کر کہا۔ میرے سامنے بغداد کا ذِکر نہ کرو ۔ بلاؤ اُسے!

عبدالملک نے کمرے میں داخل ہو کر محفل کا رنگ دیکھا تو ٹھٹھک کر رہ گیا ۔

آؤ عبدالملک! آگے آجاؤ ۔ رُک کیوں گئے؟ میرے قریب بیٹھو ۔ سُلطان نے یہ کہتے ہوئے شراب کا پیالہ اُٹھا کر مُنہ سے لگا لیا ۔

خوارزم شاہ نے گانے والوں سے کہا۔ تم کیوں خاموش ہو گئے ۔ گاؤ!

راگ پھر شروع ہوا ۔ سلطان نے شراب کی صراحی سے پھر پیالہ بھرا اور چند گھونٹ پینے کے بعد اپنے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ عبدالملک! میں سمجھتا تھا کہ یہ مقام زندگی کی نگاہوں سے بہت دُور ہے ۔ مجھے امید تھی کہ یہاں تک میرا پیچھا کوئی نہیں کرے گا لیکن اب مجھے ٹھکانہ بھی بدلنا پڑے گا ۔ تم بغداد کی افواج کہاں چھوڑ

آئے؟ تم نے یہاں آ کر ان باتوں کی یاد تازہ کر دی جنہیں میں بھول جانا چاہتا تھا۔

سلطان نے پھر شراب کا پیالہ اُٹھالیا لیکن عبدالملک نے اس کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر دُور پھینک دیا اور خنجر نکال کر سلطان جلال الدین کو پیش کرتے ہوئے کہا ۔سلطانِ معظم! میں نے شاید گستاخی کی ہے۔ یہ لیجیے مجھے اپنے ہاتھ سے موت کے گھاٹ اتار دیجیے۔ میں یہ نہیں دیکھ سکتا۔ میری آنکھیں نکال دیجیے۔

راگ بند ہو چکا تھا اور محفل میں سناٹا چھا رہا تھا۔ سلطان نے غیر متوقع اطمینان کے ساتھ عبدالملک کی طرف دیکھا اور صراحی اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ یہ لو اسے بھی توڑ ڈالو۔ میں خود کئی مرتبہ انہیں توڑ چکا ہوں۔ ایسی چیزیں ٹوٹنے سے ختم نہیں ہوتیں۔ یہ مٹی کے ٹھیکرے ہیں جو ایک بار ٹوٹنے سے ختم نہیں ہوتیں۔ یہ مٹی کے ٹھیکرے ہیں جو ایک بار ٹوٹنے کے بعد دوبارہ جُڑ سکتے ہیں اور اگر نہ جُڑ سکیں تو نئے بنائے جا سکتےہیں۔ یہ انسان کا دل نہیں جو ایک بار ٹوٹنے کے بعد ہمیشہ کے لیے ناکارہ ہو جاتا ہے۔

عبدالملک کی پریشانی اور تذبذب پر سلطان جلال الدین نے صراحی دیوار کے ساتھ دے ماری۔

عبدالملک نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ سُلطانِ معظم! میں اپنی زندگی میں صرف ایک آدمی دیکھا تھا جو مایوس ہونا نہیں جانتا تھا لیکن آج۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!

جلال الدین نے کہا وہ انسان جسے تم جلال الدین خوارزم شاہ کے نام سے جانتے تھے، مر چکا ہے، اس وقت تم اس کی لاش سے باتیں کر رہے ہو۔ ہاں یہ بتاؤ تم یہاں کس طرح پہنچے؟

میں بغداد سے رضا کاروں کی ایک جماعت لے کر آیا تھا اور۔۔۔۔۔۔۔۔!

سلطان نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ کتنے رضا کاروں کی جماعت؟

میرے ساتھ پانچ ہزار آدمی روانہ ہوئے تھے۔

تم نے غلطی کی۔ میں نے تمھیں منع کیا تھا۔

آپ کا پیغام مجھے اس وقت ملا جب میں بغداد سے ایک منزل آگے آ چکا تھا اور آپ کا حُکم سُن کر تین ہزار سپاہی واپس چلے گئے اور۔۔۔

سلطان نے پھر بات کاٹتے ہوئے کہا۔ اور باقی دو ہزار یقیناً کسی مقام پر تاتاریوں کے نرغے میں آ گئے ہوں گے؟

عبدالملک نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔ ہاں۔ تبریز اور ہمدان کے درمیان ہمیں ان کے چند دستوں نے گھیر لیا تھا۔

کتنے سپاہی زندہ بچے؟

کوئی دو سو۔ کیونکہ تبریز پہنچ کر آپ کا پتہ نہ ملا۔ اس لیے پانچ کے سوا باقی سب مایوس ہر کر چلے گئے اور ان پانچ کے ساتھ قریباً دو ماہ آپ کو ان پہاڑوں میں تلاش کرنے کے بعد میں یہاں پہنچا ہوں۔

جلال الدین نے کہا۔ تم نے اتنی جانیں بے فائدہ ضائع کیں۔

میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں۔ مجھے کردستان سے چکر کاٹ کر آنا چاہیے تھا لیکن کیا آپ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ آپ کے اعترافِ شکست کے بعد ان لاکھوں انسانوں کی قربانی رائیگاں جائے گی جو آخری فتح کی اُمید پر آپ کا ساتھ دیتے رہے؟

سلطان نے جواب دیا۔ تو تم یہ چاہتے ہو کہ جب تک میں زندہ رہوں، تھوڑے تھوڑے مسلمان جمع کر کے موت کے مُنہ میں دھکیلتا رہوں۔ میں آج تک

اس اُمید پر لڑتا رہا کہ کبھی تو عالمِ اسلام بیدار ہو گا۔ میں انہیں تیاری کے لیے وقت دینا چاہتا تھا اور میں نے اپنا فرض پورا کیا۔ انہوں نے مراکش سے لے کر ہندوستان تک میرے پاس تسلی کے پیغامات بھیجے۔ لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ میں اب اُٹھوں تو کس سہارے پر؟ لڑوں تو کس اُمید پر؟ تم اس قوم سے کیا توقع رکھتے ہو جس کے امراء ملت فروش ہوں، جس کے علماء میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو چکی ہو جو برسرِ منبر تاتاریوں کی غلامی کا فتویٰ دیتی ہو۔ جس کے سپاہیوں کی تلوار کا لوہا دشمن کی آنچ سے پگھل چکا ہو اور جس کا خلیفہ۔۔۔ میں اس کا ذکر نہیں کرنا چاہتا۔

یہ سب کچھ خلیفہ کی وجہ سے ہوا ہے لیکن خلیفہ کی بدعہدی کے بعد خُدا کی رحمت کے دروازے بند نہیں ہوئے۔ آپ پھر ہندوستان نہیں تو مصر اور مراکش کے دروازے آپ کے لیے کُھلے ہوں گے۔ ہم تاتاریوں سے شمال کے برفانی علاقوں کی شکست کا بدلہ افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں مین لے سکیں گے۔ شاید ابھی تک خُدا کی رحمت کے نزول کا وقت نہیں آیا لیکن ہم اس وقت تک لڑیں گے جب تک خدا کی رحمت جوش میں نہیں آتی۔ فرض کیجیے کہ تاتاریوں کو ترکستان سے نکالنا آپ کے مقدر میں نہیں لیکن یہ تو آپ کے بس میں ہے کہ سلطان اور سپہ سالار کی بجائے ایک سپاہی کی حیثیت مس اپنی خدمات کسی اور سلطنت کو سونپ دیں!

سلطان نے تلخ لہجے میں کہا۔ تم مجھے پریشان کیوں کرتے ہو؟ میں کئی سلطنتوں کو پیغام بھیج چکا ہوں اور ان کے جواب بھی آ چکے ہیں۔ وہ حق بجانب ہیں۔ ایک ہارے ہوئے بادشاہ کو پناہ دینا آسان نہیں اور میری تلاش میں تو تاتاریوں کی پانچ لاکھ فوج دن رات ایک کر رہی ہے۔ وہ اپنی فوج میں ایک شکست خوردہ سپاہی کا اضافہ کر کے پانچ لاکھ تاتاریوں کو حملے کی دعوت کیوں دیں۔ میں صرف ایک سپاہی

تھا اور اپنا فرض پورا کر چکا ہوں ۔ میرے پاس تلوار تھی اور جب تک اس کی دھار کند نہیں ہوئی ۔ میں لڑتا رہا لیکن تم سپاہی کے علاوہ ایک عالم بھی ہو اور تمہارا فرض ابھی پورا نہیں ہوا ۔ تم جاؤ ۔ اب میرا اور تمہارا راستہ مختلف ہے ۔

عبدالملک نے کہا ۔ لیکن ایک راستہ ہے جو ہم دونوں کے لیے کھلا ہے ۔ وہ کیا؟

عزت کی موت! ہمیں اس کے لیے ایک دوسرے کا ساتھ دینے سے کوئی نہیں روک سکتا ۔

جلال الدین اُٹھ کھڑا ہو گیا اور کوئی بات کہے بغیر دوسرے کمرے میں چلا گیا ۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آیا تو سواری کا لباس پہنے ہوئے تھا ۔ حاضرین مجلس کھڑے ہو گئے ۔

سلطان نے کہا ۔ عبدالملک! عزت کی موت کے لیے مجھے ساتھ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ۔ میں نے دنیا کے تمام آلام کو شراب میں ڈبونے کی کوشش کی تھی لیکن مجھے چین نصیب نہ ہو سکا ۔ میں نے نغموں کی تانوں میں سونے کی کوشش کی لیکن تلواروں کی جھنکار میرے کانوں میں گونجتی رہی ۔ میں جاتا ہوں اور تم سب کو حکم دیتا ہوں کہ کوئی میرا پیچھا نہ کرے ۔ میں مسلمانوں کی حفاظت کے لیے تمہاری تلواروں کا محتاج تھا لیکن اب اپنے لیے کسی کی جان خطرے میں ڈالنا گوارا نہیں کروں گا ۔ عبدالملک! تمہیں میری شراب نوشی سے دُکھ ہوا ہو گا ۔ میرے دل میں تیمور ملک کے خون کے بعد تمہارے آنسوؤں کی بڑی قدر ہے ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا ۔ تم واپس جا کر اپنا کام جاری رکھو ۔ تمہارے لیے ہندوستان جانا بہتر ہو گا ۔ طاہر شاید ابھی تک وہاں ہو ۔ اگر وہ ملے تو میری طرف

سے کہو کہ سلطان التمش کی پاس رہے۔ اگر وہ نہ مانے تو اسے کہنا کہ یہ میرا حکم ہے۔ میرا آخری حکم!

سلطان نے ایک شخص کو گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیا۔

ایک سردار نے سوال کیا۔ لیکن آپ اس برف باری میں کہاں جائیں گے؟

سلطان نے جواب دیا۔ میں تمہیں یہ سوال پوچھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر تم میرے لیے کچھ کرنا چاہتے ہو تو یہ دُعا کرو کہ خدا مجھے عزت کی موت سے محروم نہ کرے اور تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ تمھاری موجودگی کی وجہ سے تاتاری اس علاقے کو بھی تباہ و برباد کردیں۔ عبدالملک! ان لوگوں میں سے اکثر ایسے ہیں جن کے گھر بار نہیں۔ میں انہیں تمہارے سپُرد کرتا ہوں تم انہیں ہندوستان لے جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ سلطان التمش ان کی مدد کرے گا۔

تھوڑی دیر بعد یہ لوگ قلعے کے دروازے کے باہر کھڑے سُلطان کو الوادع کہہ رہے تھے۔ کوئی ایسا نہ تھا کہ جس کی آنکھوں میں آنسو نہ تھے۔ سُلطان نے گھوڑے کو ایڑ لگائی تو ایک شخص نے بھاگ کر اس کی رکاب پکڑ لی اور رو کر کہا میں بچپن سے آپ کے ساتھ رہا ہوں۔ خُدا کے لیے مجھے اپنے ساتھ جانے کی اجازت دیجیے۔

بہت اچھا۔ تم میرے ساتھ آسکتے ہو۔ لیکن کسی اور نے حکم عدولی کی تو مجھے بہت دُکھ ہوگا۔

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ برف باری کے طوفان میں روپوش ہوگیا اور اس کے بعد کسی کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟ کئی برس تک اس کے متعلق عجیب و غریب داستانیں مشہور ہوتی رہیں۔ کبھی یہ افواہ اُڑتی کہ اسے

فلاں بستی میں ایک درویش کے لباس میں دیکھا گیا ہے۔ کبھی یہ قصہ مشہور ہوتا کہ وہ کسی جنگل میں گوشہ نشینی اختیار کر چکا ہے اور کبھی یہ خبر آتی کہ وہ دُنیا کی نگاہوں سے چھپ کر تاتاریوں سے آخری جنگ لڑنے کے لیے جانبازوں کی ایک زبردست فوج منظم کر رہا ہے اور اچانک کسی دن فلاں مقام سے ظاہر ہوگا۔

تاتاریوں نے اس کی تلاش میں ملک کا کونہ کونہ چھان مارا۔ سینکڑوں آدمیوں کو جلال الدین سمجھ کر موت کی گھاٹ اُتار دیا اور اس کا سراغ لگانے والوں کے لیے بڑے بڑے انعامات مقرر کیے لیکن اس کا پتہ نہ لگا۔

بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ وہ ایک عام سپاہی کے لباس میں تاتاریوں کی کسی چوکی پر حملہ کرنے کے بعد شہید ہو چکا ہے اور بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اسے قوم کے کسی غدار یا تاتاریوں کے کسی جاسوس نے قتل کر دیا ہے۔

بہر حال وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ آہستہ آہستہ اس بات پر یقین کرنے لگے کہ شیرِ خوارزم اس دنیا میں نہیں۔

(۵)

ایک شام بغداد سے چند منازل کے فاصلے پر عبدالملک اور اس کے ساتھی ایک بستی کی سرائے کے سامنے پہنچ کر گھوڑوں سے اُترے۔ رات کے وقت جب سرائے کے تمام کمرے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے تو سرائے کے مالک نے عبدالملک کے کمرے میں آ کر کہا۔ ایک اور معزز آدمی آیا ہے۔ باقی کمروں میں تو تل دھرنے کے لیے جگہ نہیں۔ آپ کو اس کے لیے تکلیف اٹھانی پڑے گی۔

عبدالملک نے کہا۔ میں اسے دیکھے بغیر اپنے کمرے میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔

سرائے کے مالک نے کہا۔وہ بہت تھکا ہوا ہے اورتاتاریوں کا جاسوس معلوم نہیں ہوتا۔

عبدالملک نے کہا۔تاتاریوں کا نہیں تو خلیفہ کا جاسوس ہوگا۔

مجھے یقین ہے کہ وہ جاسوس نہیں۔سرائے والوں کے ساتھ جاسوس اس طرح تحکمانہ انداز سے پیش نہیں آتے۔میرے انکار پر اس نے پیٹ پھاڑ ڈالنے کی دھمکی دے دی ہے۔

ایک شخص نے اندر داخل ہوکر کہا۔ان کے ساتھ میں فیصلہ کر لیتا ہوں تم فوراً کھانا لاؤ۔

طاہر! عبدالملک نے بھاگ کر نووارد سے لپٹتے ہوئے کہا۔تم یہاں کیسے پہنچے؟

میں بغداد سے آیا ہوں اور سلطان کی تلاش میں آذربائیجان جا رہا ہوں۔

عبدالملک نے سوال کیا۔تم بغداد کب پہنچے؟

چار دن ہوئے آدھی رات کے وقت بغداد پہنچا اور تمہارے گھر سے تمام حالات معلوم کرکے علی الصباح اس طرف لوٹ آیا۔

تو تمہیں تمام حالات معلوم ہو چکے ہیں

طاہر نے مایوسی کے لہجے میں جواب دیا۔ہاں!

عبدالملک نے کہا تم نے یہاں پہنچنے میں بہت دیر لگائی؟

طاہر نے جواب دیا۔مجھے سلطان التمش نے بنگال کی ایک مہم پر بھیج دیا تھا۔تمہارا قاصد مجھے دیر سے ملا۔

تمہاری بیوی کہاں ہے؟

اسے دہلی چھوڑ آیا ہوں۔یہ سفر بہت کٹھن تھا۔بغداد سے مجھے یہ بھی پتہ چلا

کہ تم پر تاتاریوں نے راستے میں حملہ کر دیا تھا۔ مجھے تمہارے متعلق بڑی تشویش تھی ۔اب تم کِدھر جا رہے ہو؟

میں صرف بچوں کو لینے بغداد جا رہا ہوں ۔

اور اس کے بعد؟

اس کے بعد ہندوستان جانے کا ارادہ ہے!

سلطان جلال الدین نے سلطان التمش کے نام کوئی پیغام دیا ہے۔

نہیں!

طاہر کے چند سوالات کے جواب میں عبدالملک نیا پنی سرگزشت بیان کی ۔

طاہر دیر تک چُپ چاپ بیٹھا رہا۔سرائے کے مالک نے کھانا لا کر اس کے سامنے رکھ دیا مگر اس کی بھوک مر چکی تھی۔

عبدالملک نے کہا میں ان لوگوں کو اپنے ساتھ بغداد لے جانا مناسب نہیں سمجھتا ۔میرا ارادہ تھا کہ انہیں اس سرائے میں ٹھہرا کر بغداد سے بچوں کو یہاں لے آؤں اور پھر ہندوستان کا رُخ کیا۔اب تم آ گئے ہو اور مجھ سے بہتر سوچ سکتے ہو۔

طاہر نے کہا۔اگر ہم سلطان کو تلاش کر کے ہندوستان لے جانے پر آمادہ کر سکیں تو مجھے یقین ہے کہ اب سلطان التمش کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔جلال الدین کا پیغام جانے پر وہ تاتاریوں کے خلاف اعلانِ جنگ کے لیے تیار ہو گئے تھے۔

لیکن خوارزم شاہ کو اول تو ڈھونڈھنا آسان نہیں اور اگر ہم انہیں تلاش کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے تو ہو ہندوستان جانے پر آمادہ نہیں ہونگے ۔ایک گری ہوئی دیوار کو دوبارہ استوار کی جا سکتی ہے،گرے ہوئے پہاڑ کو دوبارہ کھڑا نہیں کیا جا سکتا!

طاہر نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ بہت اچھا تم اپنے ساتھیوں کو یہاں چھوڑ دو لیکن میں تمہارے ساتھ ضرور جاؤں گا۔

تمہاری مرضی لیکن وہاں بجھی ہوئی راکھ میں پھونکیں مارنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اب تو وہاں ایسے علماء بھی پیدا ہو چکے ہیں جو تاتاریوں کی ظل اللہ، اولی الامر کہتے ہیں۔

میں وہاں اپنا آخری فرض پورا کرنا چاہتا ہوں۔

وہ کیا؟

میں عوام کو بتانا چاہتا ہوں کہ بغداد کی تباہی آنے والی ہے، اگر وہ آنے والے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے تو میں انہیں کہوں گا کہ وہ اپنے لیے کوئی اور جائے پناہ تلاش کر لیں۔ خلیفہ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسے کم از کم اپنے گھر کی حفاظت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

"لیکن یہ سب بے سود ہے اور تمہیں شاید یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ تاتاریوں کے ساتھ معاہدہ کرتے ہی خلیفہ نے مہلب کو وزیر اعظم بنا دیا ہے۔

میں اس لیے بھی وہاں جانا چاہتا ہوں۔ ہاں! مبارک کہاں ہے؟

وہ بغداد میں ہے!

آخری پیغام

بغداد میں نہ ختم ہونے والے مناظروں کا نیا دور شروع ہو چکا تھا۔ دریا کے کنارے ایک کھلے میدان میں شیعہ اور سُنی علماء کا ایک زبردست مناظرہ ہو رہا تھا۔ دونوں جماعتوں کے بڑے بڑے علماء اس مناظرے میں حصہ لے رہے تھے اور عوام یہ محسوس کرتے تھے کہ کھوئی ہوئی دلچسپیاں پھر لوٹ آئی ہیں۔

ہمدان میں تاتاریوں کی افواج کا اجتماع اہلِ بغداد کے لیے ایک تلخ حقیقت تھی۔ خلیفہ اور تولائی خان کے درمیان دوستانہ تعلقات کے باوجود کسی کو یہ غلطی فہمی نہ تھی کہ تاتاری موقع ملنے پر بغداد پر حملہ آور نہ ہوں گے۔ لیکن اہلِ بغداد کی مثال اس شتر مُرغ سے کم نہ تھی جو اُفق پر آندھی کے آثار دیکھ کر ریت میں سر چھپا لیتا ہے۔

مباحثے اور مناظرے ان کے لیے خواب آور نشہ تھا۔ اسلام کے دشمن، ترکستان، خراساں اور ایران کے میدانوں میں پڑاؤ ڈال کر عالمِ اسلام پر آخری ضرب لگانے کے لیے اپنی تلواریں اور نیزے درست کر رہے تھے اور بغداد میں اسلام کے نام لیوا صرف یہ جاننے کے لیے بیقرار تھے کہ کس فرقے کے علماء کی زبان کے نشتر دوسروں کی نسبت زیادہ تیز اور زیادہ زہر آلود ہیں۔

طاہر بن یوسف اور اس کے ساتھیوں نے ان میں ایک عارضی زندگی پیدا کی تھی اور ان کی سرگرمیوں سے ان علماء کا کاروبار کچھ عرصے کے لیے ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔

جو گزشتہ چار صدیوں سے ایک دوسرے کو جھوٹا اور کافر ثابت کرنا اسلام کی بہت بڑی خدمت سمجھتے تھے اور ان کی جگہ ان حق پرست علماء نے چھین لی تھی جو خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر نام لیوا کو تباہی اور بربادی سے بچانا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے لیکن حق پرستوں کی یہ جماعت بھی ان لوگوں کو تلوار کی اہمیت سمجھانے

میں کامیاب نہ ہو سکی جو صدیوں سے اپنے ہر درد کا علاج کتابوں میں تلاش کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔ وہ طاہر کی دعوت پر میدان میں آئے اور ان کی کوششوں سے عوام کی ذہنیت میں اچانک ایک تبدیلی آ گئی۔ وہ باتوں کی بجائے عمل میں اپنی نجات محسوس کرنے لگے، وہ خوارزم شاہ کو اپنا آخری دفاعی حصار سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئے لیکن بدلے ہوئے حالات کے ساتھ یہ جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا۔ دُور دراز سے آئے ہوئے رضا کار مایوس ہو کر لوٹ گئے۔ خلیفہ ان کی حفاظت کا ضامن تھا اور خلیفہ کے نئے وزیر نے انتہائی دور اندیشی اور تدبر سے کام لے کر تاتاریوں کو اہلِ بغداد کے محافظ اور دوست بنا دیا تھا۔ ان کی نگاہوں میں اتحاد، تنظیم اور جہاد پر زور دینے والے علماء کی اہمیت کم ہونے لگی اور وہ پھر اپنے ان رہنماؤں کیطرف متوجہ ہو گئے جو ایک کامیاب مناظر بنا دُنیا آخرت کی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ شیعوں اور سُنیوں کا یہ مناظرہ بغداد میں علم و عرفان کی بارش کے نزول کے دورِ ثانی کی ابتدا تھی۔

(۲)

یہ مناظرے کی تیسری رات تھی۔ آمنے سامنے دو اسٹیجوں پر شامیانے نصب تھے اور مناظرے میں حصہ لینے والے علماء کرسیوں پر رونق افروز تھے، ان کے سامنے بڑی بڑی میزوں پر کتابوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ روشنی کے لیے دونوں جماعتوں کے رضا کار مشعلیں اُٹھائے کھڑے تھے۔ اس کے علاوہ جگہ جگہ فانوس لٹک رہے تھے۔ درمیان میں ثالث کی اسٹیج تھی اور چاروں اطراف لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔

گزشتہ دو دن مناظرے کے اصول اور قواعد طے کرنے میں صرف ہوئے

تھے، دونوں جماعتوں کے علماء نے یہ حلف اُٹھایا تھا کہ وہ اشتعال انگیزی سے کام نہیں لیں گے ۔ سامعین کا یہ خیال تھا کہ یہ دلچسپی کم از کم چھ ماہ تک ختم نہ ہو گی اور کسانوں کے سوا اکثر لوگ مناظرے کے اختتام تک موسم میں تبدیلی کے خواہشمند نہ تھے ۔ وہ بار ہا یہ آزما چکے تھے کہ اگر آندھی یا بارش کی وجہ سے مناظرہ ایک یا دو دن ملتوی ہو جائے تو مناظرین تازہ دم ہونے کے بعد پھر ابتدا سے بحث شروع کر دیتے ہیں ۔ آج شام کے قریب اُفقِ مغرب پر سیاہی چھا رہی تھی لیکن لوگوں کا خیال تھا کہ اس موسم میں آندھی نہیں آسکتی ۔ اس کے علاوہ مناظرہ شروع ہونے سے پہلے ثالث کی درخواست پر لوگ یہ دُعا بھی کر چکے تھے کہ آج کی مجلس بخیر و خوبی ختم ہو ۔

صفیں آراستہ ہو چکی تھیں ۔ اور دین کے مورچوں میں بیٹھ کر علم کی توپیں گولہ باری کرنے والی تھیں لیکن آندھی کا ایک تند و تیز جھونکا آیا ۔ مشعلیں بجھ گئیں ۔ شامیانوں کی طنابیں ٹوٹ گئیں اور شامیانوں کے ساتھ لٹکے ہوئے فانوس کی بدولت دونوں اسٹیجوں پر آگ لگ گئی ۔ علماء بچ کر باہر نکل آئے لیکن افراتفری میں وہ کئی بیش قیمت کتابیں باہر نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکے ۔

چند بگولوں کے بعد ہوا تھم گئی اور مطلع صاف ہو گا ے لیکن اسٹیجوں پر آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے ۔ ثالث کے اسٹیج آگ سے محفوظ تھی ۔ اس کا سائبان بھی سلامت تھا ۔ اسکے دائیں اور بائیں آگ کی بڑھتی ہوئی روشنی میں لوگوں نے دیکھا کہ ثالث کے قریب ایک شخص سپاہیانہ لباس پہن کر کھڑا ہے اور وہ دونوں ہاتھ بلند کر کے خاموشی کی تلقین کر رہا ہے ۔

قریب سے دیکھنے والے اکثر لوگوں نے اسے پہچان لیا اور تھوڑی دیر میں میدان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک طاہر بن یوسف ! طاہر بن یوسف !!

کی آوازیں آنے لگیں اور لوگ چاروں اطراف سے سمٹ کر ثالث کی میز کے ارد گرد جمع ہونے لگے۔ آگے لے لپکتے ہوئے شعلوں سے اس شامیانے کے لیے بھی خطرہ پیدا ہو چکا تھا۔ لیکن چند دنوں نے طنابیں کاٹ کر شامیانہ ایک طرف پھینک دیا۔

طاہر بن یوسف کو تقریر کے لیے آمادہ دیکھ کر ثالث نے کہا۔ میں اپنی اسٹیج سے کسی کو تقریر کی اجازت نہیں دے سکتا۔ لیکن عبدالملک نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے کان میں کہا۔ آپ خاموش رہیں تو بہتر ہے ورنہ میرا خنجر بہت تیز ہے۔ یہ جلسہ آپ کی صدارت میں ہوگا۔ آپ چُپ چاپ بیٹھے رہیں!

مناظرین کی توجہ جلتے ہوئے سائبانوں کے نیچے دبی ہوئی کتابوں پر مرکوز تھی، اس لیے انہیں یہ احساس نہ تھا کہ ثالث کی اسٹیج پر کیا ہو رہا ہے اور جب وہ طاہر بن یوسف کا نام سُن کر چونکے ہوئے، وہ تقریر شروع کر چکا تھا اور اس کے یہ چند فقرے عوام کے توجہ جذب کرنے کے لیے کافی تھے:

> ''زندگی کا تمسخر اُڑانے والو! اس آندھی اور آگ کو قدرت کی طرف سے ایک انتباہ سمجھو۔ تم نے بابل و نینوا کی تباہی کی داستانیں سُنی ہوں گی لیکن خدا وہ دن نہ لائے جب مستقبل کے سیاح ماضی کے کھنڈر دیکھ کر یہ کہیں کہ یہاں کسی زمانے میں ایک عظیم الشان شہر آباد تھا۔ جس کا نام بغداد تھا۔ جس میں بیس لاکھ انسان آباد تھے۔ جس کے محل پانچ صدیوں کی تعمیری یادگار تھے لیکن بابل اور نینوا کے باشندوں کی طرح انہیں بھی ایک عبرت ناک تباہی کا سامنا کرنا پڑا اور وہ صرف اس لیے کہ وہ اپنی کوتاہی عمل کے جواز کے لیے خدا اور رسول ﷺ کے احکام کی

تاویلیں کرتے تھے۔انھوں نے قرآنِ حکیم سے درسِ حیات لینا ترک کردیا تھا۔قرآن نے انہیں اتحاد اور تنظیم کا درس دیا تھا لیکن انکی زندگی کا اولین مقصد مسلمانوں میں تفریق وانتشار پیدا کرنا تھا۔خدا نے انہیں کفار سے جہاد کا حکم دیا تھا۔لیکن وہ کفار کو اپنا محافظ ونگہبان سمجھ کر آپس میں دست وگریبان ہو رہے تھے۔ بربریت کا بے پناہ طوفان ان کے دروازے پر دستک دے رہا تھا ۔اور وہ آنے والے تباہی سے آنکھیں بند کرکے ایک دوسرے پر الفاظ کے تیر برسانا کافی سمجھتے تھے۔بغداد کے لوگو! تمہارا خلیفہ اور تمہارے امراء صرف چند سال امن اسے گزارنے کے لیے تمہیں اور تمہاری آنے والی نسلوں کی عزت اور آزادی تاتاریوں کے ہاتھ فروخت کرچکے ہیں۔لیکن وہ امراء جو یہاں موجود ہیں، کان کھول کر سُن لیں کہ بغداد کا انجام خوارزم کے شہروں سے مختلف نہیں ہوگا۔تم نے بجلیوں کو بغداد کے خرمن تک پہنچنے کی دعوت دی ہے۔تم نے آگ کے شعلوں کو اپنے گھر بُلایا ہے۔آگ صرف جلانا جانتی ہے اوریاد رکھو! جب وہ جلائے گی تو محلوں اور جھونپڑوں میں تمیز نہیں کرے گی!

مسلمانو! تمہاری تاریخ شاہد ہے کہ آج تک تمہیں کسی کی تلوار مغلوب نہیں کرسکی۔تمہارے لوہے نے ہر لوہے کو کاٹا ہے۔ تمہاری مُٹھی بھر افواج نے دُشمن کی بڑی بڑی افواج کو شکستیں دی ہیں۔تمہاری کسی ناکامی کا باعث تمہاری کمزوری نہ تھی بلکہ تم

نے اگر کہیں شکست کھائی تو وہ تمہاری آپس کی پھوٹ کا نتیجہ تھی۔

تم نے اگر کہیں تباہی کا سامنا کیا تو وہاں تمہارے غداروں کا ہاتھ موجود تھا۔!"

ایک شخص نے بلند آواز میں کہا۔جلال الدین کی شکستوں میں بھی کسی غدار کا ہاتھ تھا؟

طاہر نے جواب دیا۔کون کہتا ہے کہ جلال الدین کو تاتاریوں نے شکست دی؟ وہ ایک چٹان کی طرح تاتاریوں کے سیلاب کی لہروں کا مقابلہ کرتا رہا۔بڑے بڑے طوفان اسے متزلزل نہ کر سکے لیکن اس چٹان کو نابود کرنے کے لیے تاتاریوں کو عالمِ اسلام کے معماروں نے اپنے تیشے پیش کیے۔جلال الدین کو مایوس کر کے تم اپنے مددگار کھو بیٹھے ہو۔وہ بغداد کے دروازوں پر پہرہ دے رہا تھا لیکن اس کی پیٹھ میں چھُرا گھونپا گیا۔اس نے چند برس تاتاریوں کی توجہ اپنی طرف مبذول رکھی تاکہ تمہیں تیاری کا موقع مل جائے۔ترکستان،خراسان اور ایران کے شہروں کا حشر تمہاری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی تھا لیکن تم نے اجتماعی زندگی پر انفرادی موت کو ترجیح دی۔تم نے اس شخص کے پاؤں پر کلہاڑی ماری جو تمہارے حصے کا بوجھ بھی اپنے کندھوں پر اُٹھائے ہوئے تھا۔بغداد کے لوگو! تمہاری مرضی سے یا تمہاری مرضی کے خلاف خلیفہ نے تمہارے لیے کانٹے بوئے ہیں۔تم مستقبل سے پھولوں کی توقع نہ رکھو۔کیا تم یہ نہیں سوچتے کہ بغداد.....!

طاہر نے اپنا فقرہ پُورا نہ کیا تھا کہ دریا کے اُونچے کنارے کی طرف سے تیروں کی بوچھاڑ شروع ہوئی اور بیک وقت تین تیر طاہر کی زرہ میں اٹک گئے۔اسٹیج کے آس پاس چند آدمی زخمی ہوئے اور چاروں طرف افراتفری مچ گئی۔طاہر نے

اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی اور بلند آواز میں کہا۔بغداد کے لوگو!میرا پیغام سُن کر جاؤ
۔

عبدالملک نے جلدی سے طاہر کو دھکا دے کر سٹیج سے نیچے اُتار دیا۔تیروں کی ایک بوچھاڑ آئی اور سٹیج کے آس پاس چند اور آدمی زخمی ہو گئے اور اتنی دیر یں طاہر کے کئی عقیدت مند تلواریں سونت کر دریا کے کنارے کی طرف بھاگ رہے تھے اور نہتے لوگ بھی ان کی تقلید کر رہے تھے لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے تیر انداز رفو چکر ہو چکے تھے اور دریا میں چند کشتیاں دوسرے کنارے کا رُخ کر رہی تھیں۔عبدالملک نے چند رضا کاروں کو کنارے پر پہرہ دینے کے لیے کہا اور بھاگتا ہوا واپس طاہر کے پاس پہنچا۔وہ بھاگ گئے لیکن تم زخمی ہو،چلو یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔

لیکن طاہر نے اپنی زرہ میں اٹکے ہوئے دو تیر نکال کر پھینک دیے اور کہا۔یہ زخم بہت معمولی ہیں۔تیسرا تیر تم نکال دو۔

لیکن خون؟

چند قطرے کوئی بڑا نقصان نہیں۔جلدی کرو! میں چند باتیں کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔

عبدالملک نے تیر نکالتے ہوئے کہا۔تمہاری مرضی لیکن یہ وہ مُردے نہیں جو صورِاسرافیل سے جاگ اُٹھیں۔

(۳)

طاہر پھر ایک بار سٹیج پر کھڑا ہو گیا۔لوگ خاموش ہو گئے۔اُس نے کہا۔

"بغداد کے لوگو! کیا تم نہیں سوچتے کہ تمہاری غداری کی وجہ سے خوارزم کے لاکھوں شہیدوں کا خون رائیگاں جائے گا۔

یتیموں کی آہیں اور بیواؤں کے آنسو بے اثر ثابت ہوں گے۔

یاد رکھو! بغداد کے وہ لوگ جنہوں نے خوارزم شاہ کے ساتھ غداری کی ہے، قوم کے وہ مجرم ہیں جنہیں قدرت کبھی معاف نہیں کرے گی۔ قدرت کے فیصلے اٹل ہیں۔ شاید میری دُعائیں انہیں بدل نہ سکیں لیکن اگر تم صرف زندہ ہی رہنا چاہتے ہو تو بھی میں تمہیں یہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم بغداد چھوڑ کر کہیں دُور چلے جاؤ۔ وہ شہر جس کے اندر اتنے غدار اور بد طینت لوگ ہوں۔ قدرت کے انتقام سے نہیں بچ سکتے۔ میرا مشورہ شاید اُن لوگوں کے لیے قابل قبول نہ ہو جو تاتاریوں سے ملت فروشی کی قیمت وصول کر چکے ہیں لیکن عوام سے میں یہ کہوں گا کہ وہ یہاں نہ رہیں۔ تمہارے علماء کی فتنہ پروری، امراء کی غداری اور خلیفہ کی عاقبت نا اندیشی کے باعث بغداد زمین کے سینے پر ایک ناسور بن چکا ہے اور قدرت جب جراحی پر آمادہ ہوتی ہے تو اس کا تیز اور بے رحم نشتر گندے خون کے ساتھ صاف خون بھی نکال دیتا ہے۔

یہ مت سمجھو کہ تمہارے خلیفہ کی رُوحانیت تمہاری حفاظت کی ضامن ہے اور تاتاری چونکہ خُدا اور رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں اس لیے تمہارے جیسے نام نہاد مسلمانوں پر بھی غالب نہیں آسکتے۔ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت صرف ان کے لیے ہے جو ان کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ تاتاری کافر ہیں لیکن وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہو لیکن عملی

طور پر تم خدا اور رسولؐ کے احکام سے منکر ہو۔ تاتاری نظامِ باطل کی فتح کے لیے سر دھڑ کی بازی لگاتے ہیں۔ اسلام تمہیں جہاد کی دعوت دیتا ہے۔ اسلام تمہیں یہ بتاتا ہے کہ تم دُنیا سے تمام فتنوں کو ختم کرنے لیے پیدا ہوئے ہو لیکن تم خدا کے صریح احکام کے باوجود جنبش تک نہیں کرتے۔ یاد رکھو! ایسی پست ہمت اور بُزدل قوم خدا کی رحمت کی مستحق نہیں بن سکتی۔ تم اسلاف کی امانت کو بوجھ اُٹھانیکے قابل نہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ تم مٹ جاؤ گے تو اسلام بھی مِٹ جائے گا۔ نہیں خدا اپنے دین کا بول بالا کرنے کے لیے کسی اور قوم کو منتخب کر لے گا۔ خدا کا دین تمہارا محتاج نہیں۔ تم اس کا محتاج ہو۔ قدرت سے یہ بعید نہیں کہ وہ تم سے مایوس ہو کر اُن تاتاریوں کو جو آج اسلام کے بدترین دشمن ہیں اسلام کی پاسبانی کے لیے منتخب کر لے۔ اسلام کو ایسے دل کی ضرورت ہے جو خدا کے سوا کسی سے خائف نہیں ہوتا۔ ایسی گردن کی ضرورت ہے جو خدا کے سوا کسی اور کے سامنے جھکنا نہیں جانتی۔ ایسی تلوار کی ضرورت ہے جو خم کھانا نہیں جانتی۔ اسلام کو ایسے سپاہی کی ضرورت ہے جو خدا کی راہ میں فتح اور شکست سے بے نیاز ہو کر لڑ سکتا ہے۔ اسلام کو نیک دل، نیک خُو اور نیک طینت انسانوں کی ضرورت ہے جو اپنوں سے غداری نہیں کرتے۔ اُن علماء کی ضرورت نہیں جو کفار کی حکومت کے حق میں فتویٰ دیتے ہیں۔ اُن علماء کی ضرورت ہے جو تیروں کی بارش اور تلواروں کی چھاؤں

میں کلمہ پڑھتے ہیں۔ خدا کے دین کو ان سنگِ مرمر کے مکانوں میں رہنے والوں اور بیش قیمت قبائیں زیب تن کرنے والے امراء کی ضرورت نہیں، ان صابر و شاکر سپاہیوں کی ضرورت ہے جو پیٹ پر پتھر باندھ کر لڑ سکتے ہیں۔

بغداد کے لوگو! تمہارے لیے دو راستے ہیں۔ ایک یہ کہ تم اپنی پچھلی کوتاہیوں سے توبہ کرکے مستقبل کی فکر کرو اور آنے والی مصیبت کے مقابلے کے لیے متحد ہو جاؤ۔ لیکن یہ تم اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک تم بغداد کی گلی کوچوں کو غداروں اور تفرقہ بازوں کے وجود سے پاک نہیں کر دیتے۔ تمہارے لیے دوسرا راستہ یہ ہے کہ تم اس شہر کو چھوڑ کر کہیں چلے جاؤ۔ اس پر خدا کا قہر نازل ہونے والا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ دجلہ کا پانی تمہارے خون سے سُرخ ہونے والا ہے اور تاتاری کھوپڑیوں سے اپنی فتح کی یادگاریں تعمیر کرنے والے ہیں۔ یہ شہر وحشت اور بربریت کا وہ دور دیکھنے والا ہے جو آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔ شاید بغداد کی تباہی کے سامنے بابل اور نینوا کی تباہی کی داستانیں بھی ماند پڑ جائیں۔

اس تقریر کے اختتام کے ساتھ میں بغداد میں اپنا آخری فرض پورا کرتا ہوں، اس کے بعد تم مجھے نہیں دیکھو گے اور یہ اس لیے نہیں کہ میں خطرے سے بھاگ رہا ہوں۔ بلکہ اس لیے کہ میں خودکشی کرنے والوں کا ساتھ دینے کی بجائے اُن لوگوں کا

ساتھ دینا بہتر سمجھتا ہوں جو زندہ رہنا چاہتے ہیں ۔ میں اس لیے جا رہا ہوں کہ تم میری ضرورت محسوس نہیں کرتے لیکن اگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ تم زندہ رہنے کی خواہش پیدا ہو رہی ہے اور تم بغداد کو غداروں کے وجود سے پاک کرنے کے لیے تیار ہو اور تا تاریوں کی حفاظت میں زندہ رہنے پر موت کو ترجیح دیتے ہو تو میں عزت کی موت میں تمھارا ساتھ دے سکتا ہوں ۔ ذلت کی زندگی میں تمہارا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں ۔ ۔ ۔ خُدا حافظ ۔

مناظرین نے اطمینان کا سانس لیا اور طاہر اسٹیج سے اتر کر عبد الملک اور چند نوجوانوں کے ساتھ تاریکی میں غائب ہو گیا ۔

عبد الملک ایک دن پہلے اپنے بچوں کو بغداد سے روانہ کر چکا تھا ۔ پندرہ بیس اور نوجوانوں کی جماعت شہر سے باہر ایک مقام پر ان کے لیے گھوڑے لیے کھڑی تھی ۔ جلسہ گاہ سے نکل کر عبد الملک نے کہا ۔ اگر آپ زخموں کی وجہ سے سفر کرنا تکلیف دہ سمجھتے ہوں تو ابھی تک چند پناہ گاہیں ایسی ہیں جن تک حکومت کے سپاہی نہیں پہنچ سکتے ۔

طاہر نے جواب دیا نہیں ۔ زرہ میں ان تیروں نے کوئی اثر نہیں کیا ۔ معمولی زخم ہیں مجھے تو ان کا احساس بھی نہیں لیکن جانے سے پہلے میں بغداد میں ابھی ایک اور فرض پورا کرنا چاہتا ہوں اور شاید اس مقصد کے لیے ہمیں چند نوجوانوں کی مدد لینا پڑے ۔

وہ کیا؟

مہلب بن داؤد سے چند باتیں ۔

لیکن اس وقت وزیراعظم کے محل میں داخل ہونا آسان نہیں۔

مجھے ایک آسان راستہ آتا ہے۔

کتنے آدمیوں کی ضرورت ہے؟

زیادہ سے زیادہ دس!

تو چلیے! لیکن جہاں آپ دس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں میں وہاں پندرہ لے جانا ضروری سمجھتا ہوں۔

بہت اچھا۔ پندرہ سہی لیکن اس مہم میں آدمیوں سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

انجام

وزیر اعظم مہلب بن داؤد اپنے محل کے اس کشادہ کمرے میں بیٹھا ہوا تھا جو دریا کنارے کی طرف تھا۔ ناظمِ شہر، قید خانے کا داروغہ اور بغداد کی افواج کا سپہ سالار قشمور اس کی محفل میں شریک تھے۔ شراب کا دور چل رہا تھا اور بغداد کے تازہ حالات پر تبصرہ ہو رہا تھا۔

مہلب نے کہا۔ میرا خیال ہے کہ وہ بچ گیا ہوگا۔ اُس دن اتنا خطرناک زہر اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ معمولی زخم اس کا کیا کریں گے؟

ناظمِ شہر نے جواب دیا۔ نہیں میں کوتوال سے تسلی کر کے آیا ہوں، اتنے فاصلے سے کم از کم چار تیر لگنے کے بعد وہ زندہ نہیں رہ سکتا اور اُس دن کے زہر کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ اس کے پاس یقیناً کوئی تریاق ہوگا۔

لیکن وہ بہت دُور اندیش ہے۔ ممکن ہے زرہ وغیرہ پہن کر آیا ہوں۔ کوتوال نے اسے گرتے ہوئے دیکھا تھا؟

میری ہدایت تھی کہ وہ فوراً کشتیوں پر بیٹھ کر دوسرے کنارے پہنچ جائیں۔ اس لیے وہ نتائج کا انتظار نہ کر سکے۔

مہلب نے کہا۔ اس نے پھر اس پُر امن شہر میں آگ لگا دی ہے۔ اب مجھے پھر ایک بار تاتاریوں کو مطمئن کرنا پڑے گا اور میرے خیال میں ان کا مطالبہ یہی ہوگا کہ ان کے خلاف اشتعال پھیلانے والوں کو پکڑ کر ان کے حوالے کیا جائے۔

داروغہ نے کہا۔ اس کے سوا ہمارے لیے کوئی اور راستہ بھی نہیں۔ طاہر کو اگر موقع ملا تو ہمیں یقیناً زک پہنچائے گا۔

ناظمِ شہر نے کہا۔ لیکن ہماری طرف سے فوری کاروائی پر عوام ہمارے خلاف

بہت زیادہ مشتعل ہو جائیں گے اور عوام کو جوش و خروش دیکھ کر خلیفہ بھی ہمیں شاید فوری اقدام کی اجازت نہ دے۔ آج تقریر اُس کا اعلان کیا ہے کہ وہ بغداد سے جا رہا ہے۔ اگر وہ واقعی چلا گیا تو یہ معاملہ خود بخود ٹھنڈا ہو جائے گا اور اگر اس نے یہاں ٹھرنے کی کوشش کی تو علماء کے ایک بہت بڑے گروہ کو ہم اس کی مخالفت پر آمادہ کر چکے ہیں اور ان کے پیروؤں سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ آج اُس کی تقریر غیر متوقع تھی ورنہ ہم جلسے میں گڑبڑ ڈالنے کے لیے کئی آدمیوں ک وبھیج سکتے تھے۔ آئندہ لے لیے یہ انتظام کروں گا کہ اسے ٹوکنے کے لے ہر مسجد اور ہر چوک میں علماء موجود رہیں۔ کل تک کم از کم ڈیڑھ سو علماء کی طرف سے یہ فتویٰ مشتہر کیا جائے گا کہ اس کے مقاصد باغیانہ ہیں۔

اچانک طاہر ننگی تلوار لیے اندر داخل ہوا اور اس نے کہا۔ تمہیں غلط فتویٰ مشترہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

مہلب کے ہاتھ سے شراب کا جام گر پڑا اور اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ قشمور نے جلدی سے اُٹھ کر تلوار کے قبضے کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن طاہر نے بجلی کی سی تیزی سے اپنی تلوار کی نوک اس کے سینے پر رکھتے ہوئے کہا:

بیٹھ جاؤ!

قمشور غصے سے ہونٹ کاٹتا ہوا بیٹھ گیا۔

مہلب نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ تم یہاں کس نیت سے آئے ہو؟

طاہر نے جواب دیا۔ تم مُدت سے میرے پیچھے سرگرداں تھے اور میں بغداد چھوڑنے سے پہلے تم سے چند باتیں کرنا ضروری سمجھتا تھا۔

لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ میری آواز پر پچاس پہرے دار یہاں اکٹھے ہو سکتے

ہیں۔

طاہر نے اطمینان سے جواب دیا۔ پچاس نہیں، پنتالیس۔ پانچ دریا کے کنارے اُونگھ رہے تھے۔ وہ ہمارے قبضے میں ہیں۔ اگر تم نے دوسروں کو آواز دی تو تمہاری آواز آخری ثابت ہو گی۔

عبدالملک کے ساتھ پانچ اور نوجوان ننگی تلواریں لیے کمرے میں داخل ہوئے۔

طاہر نے کہا۔ اندر زیادہ آدمیوں کی ضرورت نہیں۔ باہر کا خیال رکھو۔ عبدالملک نے اشارے پر دو نوجوان باہر نکل گئے اور باقی تین ناظمِ شہر، قشمور اور داروغہ کے سروں پر کھڑے ہو گئے۔

طاہر نے کہا اُٹھیے!

مہلب نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا۔ تم کیا چاہتے ہو؟

طاہر نے جواب دیا میں کہہ چکا ہوں کہ میں چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

میں تمہارا مطالبہ ماننے کے لیے تیار ہوں۔ کہو کیا چاہتے ہو؟

صرف یہ کہ تم سب ہمارے ساتھ چلو!

"کہاں؟"

"جہاں ہم لے جائیں"

"اور اگر میں انکار کروں تو؟"

"مجھے مجبوراً اپنی تلوار استعمال کرنا پڑے گی۔ اسے ہاتھ لگا کر دیکھ لو!"

طاہر نے یہ کہتے ہوئے آہستہ سے تلوار کی نوک اس کے سینے میں چبھو دی۔

"نہیں نہیں، خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ بغداد چھوڑ کر

چلا جاؤں گا!"

"مجھے تمہارے وعدوں پر یقین نہیں اور اسی لیے میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں"

"کہاں؟"

"بغداد سے دور کسی ایسے مقام پر جہاں سے لوٹ کر تم پھر یہاں نہ آسکو۔"

"تم یہ وعدہ کرو کہ مجھے قتل نہیں کرو گے؟"

طاہر نے کہا۔ "اگر میں وعدہ کروں تو تمہیں یقین آجائے گا!"

"میں جانتا ہوں کہ تم جھوٹا وعدہ نہیں کر سکتے"۔

عبدالملک نے کہا۔ "بغداد کے مناظرے سن سن کر اسے بحث کی عادت پڑ گئی ۔اس کا علاج میں جانتا ہوں"۔

طاہر کو ایک طرف ہٹا کر عبدالملک نے اپنی تلوار کی نوک مہلب کی گردن پر رکھ کر آہستہ سے دباتے ہوئے کہا۔ "اٹھتے ہو یا......!"

مہلب نے گھگھیا کر کہا۔ "خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ میں چلتا ہوں"۔

"آہستہ بولو!" عبدالملک نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

قشمور نے دوبارہ تلوار کے قبضے کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی لیکن طاہر نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے پیٹ پر تلوار کی نوک رکھ دی اور اس کے ساتھی نے اس کے نیام سے تلوار نکال لی۔

قشمور نے کہا۔ "بہادر کسی کے ہتھیار چھین کر اس پر حملہ نہیں کیا کرتے!"

طاہر نے کہا۔ "تم اطمینان رکھو، تمہیں اپنی تلوار کے جوہر دکھانے کا موقع بھی مل جائے گا۔"

''اگر تم یہ وعدہ کرتے ہو تو میں تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں!''

''میں وعدہ کرتا ہوں اور تمہیں یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ تمہارے تلوار کے مقابلے کے لیے ہماری طرف سے بھی ایک ہی تلوار ہوگی!''

قشمور نے کہا۔''چلو!''

طاہر ناظم شہر اور داروغہ کی طرف متوجہ ہوا۔''اٹھو۔تمہاری بھی ضرورت ہے۔''

(۲)

مہلب اور اس کے ساتھی اپنی پسلیوں پر تلواروں کی تیز نوک کا دباؤ محسوس کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکلے۔طاہر کے باقی آٹھ دس ساتھیوں نے جو ابھی تک باہر کھڑے تھے، انھیں اپنے گھیرے میں لے لیا۔دریا کے کنارے دو کشتیاں کھڑی تھیں۔طاہر کے ساتھی مہلب کی سیر کی تمام کشتیوں کے رستے کاٹ کر انھیں دریا میں دھکیل چکے تھے۔ایک کشتی میں پانچ پہریدار جنھیں انھوں نے دریا کے کنارے نیم خوابی کی حالت میں آدبوچا تھا، رسیوں میں جکڑے ہوئے پڑے تھے

۔

طاہر نے مہلب کو کشتی میں سوار ہونے کا اشارہ کیا اور اس کے اشارے سے زیادہ عبدالملک کی تلوار کی نوک سے مجبور ہو کر کشتی پر سوار ہو گیا۔قشمور، ناظم اور داروغہ نے اس کی تقلید کی۔طاہر کے آٹھ ساتھی اس کشتی میں سوار ہو گئے اور باقی سات دوسری کشتیوں میں رسیوں سے جکڑے ہوئے پہرے داروں کے ساتھ بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد کشتیاں دریا کی منجدھار میں پانی کے بہاؤ کے ساتھ تیر رہی تھیں۔

مہلب نے چند بار نہایت عاجزی سے سوال کیا۔ ”تم ہمیں کہاں لے جا رہے ہو؟“

عبدالملک ہر بار یہی جواب دیتا۔ ”فکر نہ کرو، تمہاری منزل بہت نزدیک ہے“۔

آباد کناروں سے آٹھ کوس دور نکل جانے کے بعد طاہر نے کشتی میں پڑے ہوئے پتھروں میں سے ایک اٹھا کر مہلب اور اس کے ساتھیوں کو دکھاتے ہوئے کہا ۔”تم جانتے ہو یہ پتھر کس کام آتے ہیں؟“

مہلب بلبلا اٹھا۔ ”نہیں نہیں، یہ ظلم ہے خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو!“

طاہر قشمور کی طرف متوجہ ہوا۔ کیوں حضرت! آپ ہی بتائیے، بھلا یہ سوال پوچھنا ظلم ہے کہ دریا کے کنارے پڑے ہوئے پتھر کس کام آتے ہیں؟

”میں اس کا مطلب نہیں سمجھا“۔

عبدالملک نے کہا۔ ”“یہ موٹی عقل کے آدمی ہیں، ان سے ایسے سوالات نہ پوچھئے۔

قشمور نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔ ”تم نے میرے ساتھ بہادروں کی طرح مقابلہ کرنے کا وعدہ کیا تھا؟“

طاہر نے کہا۔ ”میرے دل میں بہادری کے لیے عزت ہے اور میں عبدالملک کو تنبیہ کرتا ہوں کہ وہ آپ کے ساتھ گستاخی سے پیش نہ آئے اور اس کے ساتھ ہی مجھے آپ سے توقع ہے کہ آپ بزدلوں کی اعانت نہ کریں گے۔ میں آپ سے چند سوالات پوچھتا ہوں نہیں بلکہ آپ کو قاضی سمجھ کر آپ کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرتا ہوں۔“

قشمور نے کہا۔ ''لیکن میں صرف سپاہی ہوں!''

''میرا مقدمہ کوئی پیچیدہ نہیں۔ ایک دفعہ ایک شخص نے میری کمر کے ساتھ پتھر باندھوا کر مجھے دریا میں ڈلوا دیا تھا، اگر وہ شخص مجھے مل جائے تو اسے کیا سزا دوں؟''

قشمور نے کہا۔ ''اگر وہ مل جائے تو تم اس کے ساتھ وہی سلوک کر سکتے ہو!''

طاہر نے کہا۔ ''مجھے ایک بہادر سپاہی سے یہی امید تھی۔ داروغہ کی کمر کے ساتھ یہ پتھر باندھ دو!''

طاہر کے تین ساتھیوں نے داروغہ کو زبردستی منہ کے بل لٹا دیا۔ اس نے مزاحمت کی کوشش کی۔ لیکن عبدالملک نے تلوار کی نوک اس کی گردن پر رکھتے ہوئے کہا۔ ''خبردار! اگر تم نے ذرا بھی جنبش کی تو میں ذبح کر ڈالوں گا!''

جب اس کی کمر کے ساتھ پتھر باندھا جا رہا تھا تو مہلب نے اٹھ کر دریا میں چھلانگ لگانے کی کوشش کی لیکن طاہر نے بائیں ہاتھ سے اس کی کنپٹی پر ایک مکا رسید کیا اور وہ تیورا کر کشتی میں گر پڑا۔ ناظم شہر نے بھی اٹھنے کی کوشش کی لیکن طاہر کے ایک ساتھی نے پیچھے سے اس کے گلے میں رسہ ڈال کر اسے پیٹھ کے بل کشتی میں گرا دیا۔

تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد ناظم شہر اور مہلب کی پیٹھ پر بھی پتھر باندھ دیئے گئے۔

مہلب، عبدالملک کی دھمکیوں کی پروا نہ کرتے ہوئے چلا چلا کر یہ کہہ رہا تھا کہ میرا پتھر ان دونوں سے بھاری ہے، یہ مجھ سے بہتر تیراک ہیں، خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو، میں تمہیں ایک لاکھ اشرفی دینے کے لیے تیار ہوں!''

طاہر نے کہا۔ ''نہیں نہیں۔ قریباً آدھی اسلامی دنیا کی تباہی کے لیے یہ

معاوضہ بہت تھوڑا ہے!"

"میں تمہیں دو لاکھ دیتا ہوں۔ مجھے چھوڑ دو!"

طاہر نے کہا۔ "لیکن اس رقم سے تو ہم خوارزم کا ایک اجڑا ہوا شہر بھی دوبارہ نہیں بسا سکتے!"

"میں تمہیں پانچ لاکھ دیتا ہوں، اس سے زیادہ میرے پاس نہیں۔"

"لیکن تمہارا باپ شاید ایک غریب آدمی تھا۔ تم نے اتنی دولت کہاں سے جمع کرلی؟ میرے خیال میں تم جان بچانے کے لیے جھوٹ کہہ رہے ہو؟"

"نہیں، خدا کی قسم میں جھوٹ نہیں کہتا۔ میرے پاس پانچ لاکھ اشرفیاں اور اتنی مالیت کے جواہرات بھی ہیں، مجھے چھوڑ دو۔ میں یہ تمام دولت تمہیں دینے کے لیے تیار ہوں!"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے بغداد کے لوگوں سے رشوت کا مال جمع کیا ہے؟"

"نہیں۔ خدا کی قسم میں نے رشوت نہیں لی!"

"تو پھر یہ دولت کہاں سے آئی؟"

"میں نے تاتاریوں سے حاصل کی تھی!"

"جہاں تک مجھے معلوم ہے تاتاریوں نے صرف ایک شخص کو مالا مال کیا تھا اور وہ، وہ تھا جس نے چنگیز خان کو خوارزم پر حملے کی صورت میں خلیفہ کی غیر جانبداری کا ثبوت دے دیا تھا۔ جس نے وحید الدین کو قید کر کے زہر دے دیا تھا۔ جس نے وزیر اعظم کو قتل کیا تھا، جو خلیفہ مستنصر کے پاس تاتاریوں کی دوستی کا پیغام لے کر آیا تھا۔"

مہلب نے کہا۔ ”میں اپنے تمام جرائم کا اقبال کرتا ہوں۔ خدا کے لیے مجھے معاف کرو۔ میری جان لینے سے تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔“

طاہر نے جواب دیا۔ ”میں جانتا ہوں کہ تمہاری موت کے باوجود بغداد پر جو تباہی آنے والی ہے، وہ آ کر رہے گی۔ بغداد میں منافقوں اور غداروں کی تعداد تمہارے سر کے بالوں سے بھی زیادہ ہے لیکن بغداد کی تباہی کے اسباب پیدا کرنے کرنے کے بعد تاتاریوں سے انعام حاصل کرنے والے تم نہیں، کوئی اور ہوگا۔ تم نے تاتاریوں کے لیے بغداد کے دروازے کھولے ہیں لیکن ان کی تلواروں کے سائے میں مسلمانوں پر حکومت کرنے والے غدار تمہارے خاندان سے نہیں، کسی اور خاندان سے ہوں گے!“

ناظم شہر نے کہا۔ ”تمہیں زہر دینے اور دریا میں پھینکنے کی سازش میں میرا کوئی ہاتھ نہیں تھا!“

طاہر نے کہا۔ ”تو پھر تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ میرے خلاف ایسی سازش کی گئی ہے؟“

”مجھے داروغہ نے بتایا تھا“۔

داروغہ نے کہا۔ ”بزدل مت بنو۔ ہمارے بغیر تمہارے دل اس دنیا میں کیسے لگے گا؟“

طاہر نے کہا۔ ”اب تم یہ فیصلہ کرلو کہ خود دریا میں کودنا پسند کرو گے! ہم تمہارے ہاتھ پاؤں پکڑ کر دریا میں پھینک دیں؟“

داروغہ نے کہا ”ہم پر اگر کوئی احسان کرنا چاہتے ہو تو یہ ہوسکتا ہے کہ ہمیں ایک ساتھ کودنے کا موقع دو!“

طاہر نے کہا۔ ”مجھے منظور ہے۔ میں آخری وقت میں تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کرنا چاہتا اور پھر یہ پتھر وزن میں اس پتھر سے زیادہ نہیں جس کا بوجھ اٹھا کر میں نے دریا عبور کیا تھا۔“

ناظم نے کہا۔ ”لیکن ہم تیراک نہیں“۔

”تو اس صورت میں ہمیں تم کو زبردستی پانی میں پھینکنے کی تکلیف اٹھانا پڑے گی ۔عبدالملک! پہلے مہلب کی باری ہے۔“

داروغہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”اگر ایک ایک کر کے ہمیں پانی میں دھکیلا گیا تو تمہارا ڈوب جانا یقینی ہے۔ اگر اکٹھے کودو تو میں تمہیں سہارا دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ یہ پتھر بہت معمولی ہیں اور میں اس سے زیادہ بوجھ اٹھا کر دریا عبور کر سکتا ہوں ۔“

طاہر اور اس کے ساتھی داروغہ کے اس ایثار پر حیران تھے” کیونکہ جسمانی لحاظ سے وہ اپنے ساتھیوں کی نسبت زیادہ نحیف تھا تاہم انھیں اطمینان تھا کہ اتنا بوجھ اٹھا کر کوئی بھی کنارے تک نہیں پہنچ سکے گا۔“

داروغہ نے کہا۔ ”آپ ہمیں ایک ساتھ کودنے کی اجازت دیتے ہیں؟“

طاہر نے کہا۔ ”مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

داروغہ اٹھ کر کشتی کے سرے پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ ”میں جا رہا ہوں اگر تمہیں میری مدد کی ضرورت ہے تو میرے ساتھ آؤ۔ ورنہ میں پیچھے مڑ کر نہیں دیکھوں گا۔“

ناظم اور مہلب جھٹ اٹھ کر اس کے قریب کھڑے ہو گئے۔ داروغہ نے بازو پھیلا کر کہا۔ ”اپنی گردنیں میری بغل میں دے لو۔ میں تمہیں منجدھار سے نکال دوں

گا اور اس کے بعد تمہاری قسمت!"

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ ناظم اور مہلب نے اپنی تقدیر داروغہ کے سپرد کر دی۔

عبدالملک نے طاہر کے کان میں کہا۔ "یہ تیرنا بالکل نہیں جانتا۔ میں اسے اس وقت سے جانتا ہوں جب یہ فوج میں تھا۔"

طاہر نے کہا۔ "مجھے معلوم ہے۔ ایک تیراک اس قدر بے وقوف نہیں ہو سکتا۔"

تینوں تھوڑی دیر تذبذب کی حالت میں کشتی کے سرے پر کھڑے رہے۔ بالآخر طاہر کے ساتھیوں نے انھیں تلواروں سے ہانک کر دریا میں کودنے پر مجبور کر دیا۔

"مجھے چھوڑ دو، تم تیرنا نہیں جانتے، جھوٹے، فریبی، دغا باز، مکار، ہمیں چھوڑ دو۔ مہلب اور ناظم شہر پانی میں ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے چلا رہے تھے۔ لیکن داروغہ کی گرفت ڈھیلی نہ ہوئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ہم نے ..... زندگی ..... اور موت میں ..... ایک دوسرے کا ..... ساتھ دینے کا ..... عہد کیا تھا ..... !"

وہ چند بار ڈوب ڈوب کر ابھرنے کے بعد پانی میں غائب ہو گئے۔

اس عرصہ میں دو نوجوان قشمور کے سر پر تلواریں تانے کھڑے رہے۔ طاہر اور عبدالملک کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر قشمور نے کہا۔ "تم نے مجھے ایک سپاہی کی موت مرنے کا موقع دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

طاہر نے جواب دیا۔ "ہم تمہاری خواہش پوری کریں گے۔"

"تم نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ میرا مقابلہ صرف ایک آدمی سے ہوگا۔"

"ہم اپنے وعدے پر قائم ہیں۔"

(۳)

آدھی رات کا چاند نمودار ہو چکا تھا۔ دونوں کشتیاں کنارے پر لگیں۔ طاہر نے اپنے دو ساتھیوں کو دوسری کشتی میں پڑے ہوئے پانچ اسیروں پر پہرہ دینے کے لیے کہا اور اس کے باقی ساتھی اس کی ہدایت کے مطابق کشتیوں سے اتر کر کنارے اور پانی کے درمیان ریت کے ایک چھوٹے سے ٹاپو پر کھڑے ہو گئے۔

اس کے بعد عبدالملک اور طاہر نے قشمور کو تلواروں کے پہرے میں کشتی سے اتارا جب ان کے ساتھیوں نے قشمور کے گرد دائرہ بنا لیا تو طاہر نے اس کی چھینی ہوئی تلوار واپس دینے کا حکم دیا۔

عبدالملک نے طاہر کے کان میں کہا۔ ''تیروں سے زخمی ہونے کے بعد تمہارا بہت سا خون ضائع ہو چکا ہے۔ اس لیے مجھے اس سے تیغ آزمائی کی اجازت دو۔''

طاہر نے جواب دیا۔ صفیہ کی شہادت کے بعد میں نے ایک عہد کیا تھا اور میں اسے پورا کرنا چاہتا ہوں، تم میری فکر نہ کرو، میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

عبدالملک نے بہت اصرار کیا جب وہ دبی زبان سے ایک دوسرے کو سمجھانے کی بجائے بلند آواز میں بحث کرنے لگے تو قشمور نے کہا۔ ''میرے مقابلے کے لیے کسی ایسے شخص کو سامنے آنا چاہیے جو میرا ہم پلہ ہو۔ بدقسمتی سے تم دونوں میں سے کوئی میرا ہم رتبہ نہیں۔ تاہم میں طاہر کو ترجیح دیتا ہوں۔''

طاہر نے عبدالملک کو ایک طرف دھکیلتے ہوئے نیام سے تلوار نکال لی اور کہا ''تیار ہو جاؤ!''

قشمور نے تلوار کو جنبش دیتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا۔ ''میں تیار ہوں،

رات کی خاموشی میں تلواروں کی جھنکار سنائی دینے لگی۔ تھوڑی دیر تیز و تند حملے کرنے

کے بعد قشمور مغلوب ہو کر پیچھے ہٹنے لگا۔

طاہر نے کہا۔ ''پانی میں کودنے کا ارادے سے پیچھے ہٹنے کی کوشش نہ کرو۔ میں نے تمہیں بہادروں کی طرح لڑنے کا موقع دینے کا وعدہ کیا تھا، بھاگنے کا موقع دینے کا وعدہ نہیں کیا تھا!''

قشمور نے کہا ''تو تمہارے نزدیک میری سزا موت کے سوا کچھ نہیں؟''

طاہر نے کہا۔ ''تمہیں اپنی موت کا یقین ہو چکا ہے؟''

''ہاں اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ تمہارے زخموں کے متعلق میرا اندازہ صحیح نہ تھا۔ میں نے عبدالملک کی بجائے تمہیں مقابلے کے لیے منتخب کرنے میں غلطی کی ہے۔''

''تم اس غلطی کی تلافی کر سکتے ہو۔''

''وہ کیسے؟''

''ہتھیار ڈال کر۔''

طاہر کو ذرا ڈھیلا ہوتا دیکھ کر قشمور نے اچانک پینترا بدلا اور اس پر پے در پے کئی وار کر دیئے۔ ایک بار اس کی تلوار ہوا میں سنسناہٹ پیدا کرتی ہوئی اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ طاہر نے نیچے جھک کر اپنی گردن بچاتے ہوئے اس پر اچانک ایک سیدھا وار کر دیا۔ قشمور تیورا کر زمین پر گرا۔ طاہر کی تلوار اس کے پیٹ سے آر پار ہو چکی تھی۔

طاہر نے جھک کر اس کے دامن سے تلوار پونچھتے ہوئے عبدالملک کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''اگر یہ توبہ کر لیتا تو میں یقیناً اسے چھوڑ دیتا لیکن اس نے مجھے باتوں میں لگا کر یہ خیال کیا کہ میں بے پرواہ ہو گیا ہوں!''

عبدالملک نے کہا۔ ’’چلئے اب دیر ہو رہی ہے۔ میرے خیال میں یہ دونوں کشتیاں پانی میں دھکیل دیں اور قیدیوں کو وہیں رہنے دیں۔ صبح تک یہ کشتیاں کافی دور نکل جائیں گی اور جب تک کوئی قیدیوں کو نکال کر ان کی سرگزشت پوچھے گا ہم بہت دور جا چکے ہوں گے۔‘‘

طاہر نے سوال کیا۔ ’’ہمارے گھوڑے یہاں سے کتنی دور ہیں؟‘‘

عبدالملک نے جواب دیا۔ ’’کوئی آدھ کوس کے فاصلے پر‘‘۔

(۴)

عبدالملک کی ہدایات کے مطابق بغداد سے اس کے چند دوست ایک دن قبل اس سرائے میں پہنچ چکے تھے جہاں وہ خوارزم شاہ کے ڈیڑھ سو سپاہیوں کو ٹھہرا گیا تھا۔ عبدالملک کی بیوی اور دو بچے بھی جن میں سے ایک آٹھ سالہ لڑکا اور دوسری پانچ سالہ لڑکی تھی، اس جگہ پہنچ چکے تھے۔

تیسرے دن شام کے وقت طاہر اور عبدالملک بیس سواروں کے ساتھ اس جگہ پہنچ گئے اور چوتھے دن علی الصباح اس قافلے نے ہندوستان کا رخ کیا۔

چند دنوں کے بعد جب وہ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں گزر رہے تھے تو طاہر نے ایک بلند ٹیلے پر پہنچ کر گھوڑا روکا اور شمال کے بلند پہاڑوں کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ تصور میں ایک ندی کے کنارے پتھروں کا وہ انبار دیکھ رہا تھا جس کے نیچے صفیہ دائمی نیند سو رہی تھی۔ عبدالملک نے گھوڑا روک کر کچھ دیر اس کا انتظار کیا اور بالآخر بولا۔ ’’طاہر! کیا سوچ رہے ہو؟‘‘

طاہر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔

عبدالملک نے مغموم لہجے میں کہا۔ ''چلو! قافلہ دور جا چکا ہے۔''

طاہر نے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے کہا۔ ''عبدالملک! میں سوچتا ہوں کہ بغداد سے اس درجہ مایوس ہونے میں ہم نے غلطی تو نہیں کی؟''

عبدالملک نے جواب دیا۔ ''نہیں، میرے خیال میں ہم نے بغداد کے لوگوں سے اتنی بڑی توقعات وابستہ کرنے میں غلطی کی تھی۔''

''کیا یہ ممکن ہے کہ وہ شہر جو صفیہ جیسی لڑکیاں پیدا کر سکتا ہو، ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے؟''

''جس شہر میں مہلب جیسے ہزاروں انسان موجود ہوں، اسے تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ صفیہ نے تو ایسے شہر کی مٹی میں دفن ہونا بھی قبول نہیں کیا جس پر خدا کا قہر نازل ہونے والا ہے۔''

''عبدالملک! ہم اپنے فرض سے بھاگ تو نہیں رہے؟''

''نہیں۔ ہم وہاں جا رہے ہیں جہاں ہمیں فرض بلا رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہندوستان میں رہ کر ہم قوم کی کوئی صحیح خدمت کر سکیں گے۔ سلطان التمش کو ہماری تلواروں کی ضرورت ہے۔ بغداد میں ہم اپنا فرض پورا کر چکے ہیں۔ جو لوگ خودکشی کا ارادہ کر چکے ہوں انھیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ جب ایک ایسی قوم کو جو طوفان میں غرق ہونے کا ارادہ کر چکی تھی، نوح علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی تباہی سے نہ بچا سکے تو ہم کون ہیں؟ ہم نے اہل بغداد کو ان کے راستے کے مہیب گڑھے دکھانے کی کوشش کی لیکن وہ آنکھیں بند کر کے چلنے پر مصر ہیں تو اس میں ہمارا کیا قصور؟ خوارزم کے شہر ان کے سامنے ایک ایک کر کے تباہ ہوئے لیکن قدرت کی طرف سے بار بار تنبیہہ کے باوجود انھوں نے عبرت حاصل نہیں کی۔

اہل بغداد تنزل کی اس آخری گہرائی تک پہنچ چکے ہیں جہاں سے انھیں اٹھانا کسی انسان کا کام نہیں۔ جس بستی کے ہر پانچ آدمیوں میں سے ایک غدار ہو، اسے تباہی سے کون بچا سکتا ہے؟ ایک قوم کو تباہ کرنے کے لیے مہلب جیسا ایک آدمی کافی ہوتا ہے اور بغداد میں تو ہزاروں مہلب موجود ہیں۔"

طاہر نے کہا۔ "بغداد کی تباہی کے آثار مستعصم کی تخت نشینی کے ساتھ مکمل ہو جائیں گے۔ میں نے سنا ہے کہ اسے شراب، عورتوں کے ناچ اور راگ کے سوا کسی شے کا شوق نہیں۔ میرے خیال میں ایسے شخص کا خلیفہ المسلمین کہلانا ہی بغداد کی تباہی کے لیے کافی ہوگا۔ وہ جس شخص کو اپنا وزیر بنائے گا وہ مہلب سے یقیناً زیادہ عیار ہوگا۔"

(۵)

طاہر اور عبدالملک التمش کی فوج کے بہترین جرنیلوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ جلال الدین خوارزم شاہ کے متعلق کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں ہے۔ تاتاری اس کی تلاش میں آذربائیجان، قفقاز اور آرمینیا کا کونہ کونہ چھان چکے تھے۔

ان کی طرف سے بارہا اس کی موت کا اعلان ہو چکا تھا۔ لیکن دنیا یہ ماننے کے لیے تیار نہ تھی۔

وقت گزرتا گیا۔ طاہر عزت اور شہرت کے آخری زینے پر پہنچ چکا تھا، دنیا کی کوئی نعمت ایسی نہ تھی جو اسے میسر نہ تھی۔ ثریا کی محبت اس کے لیے گھر کی چار دیواری کو خلد بریں بنانے کے لیے کافی تھی۔ بڑھاپے میں اس کے تین بیٹے تیغ زنی اور دوسرے فنون حرب میں نام پیدا کر چکے تھے۔ ثریا کا بھائی اسماعیل تجارت کے میدان میں نام پیدا کر چکا تھا۔ عبدالملک کا مکان طاہر کے مکان کے ساتھ تھا اور

اس کے لڑکے بھی فوج میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ مبارک اور طاہر کے باقی تمام ساتھی فارغ البالی سے زندگی کے دن گزار رہے تھے۔

دہلی میں ہزاروں افراد ایسے تھے جن کے لیے طاہر کی زندگی قابل رشک تھی لیکن طاہر کو ایک خلش ہمیشہ بے چین رکھتی اور یہ بغداد کی یاد تھی۔ ماضی کا غبار اس کی نگاہوں سے بغداد کو اوجھل نہ کر سکا۔

دہلی میں پندرہ سال فوجی اور سیاسی خدمات سرانجام دینے کے بعد وہ اپنی باقی زندگی اسلام کی تبلیغ کے لیے وقف کر چکا تھا اور عبدالملک ہر میدان میں اس کا ساتھ دینے کا عزم کر چکا تھا۔ ہندوستان کے غیر مسلموں کو خدا کے دین کی دعوت دینے کے بعد انھیں ایک روحانی تسکین حاصل ہوتی لیکن جب کبھی کسی مجلس یا اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے طاہر کو بغداد کا خیال آتا تو وہ جلدی سے تقریر ختم کر کے کسی گوشۂ تنہائی میں جا بیٹھتا اور پہروں سوچتا رہتا۔ وہ بار بار اپنے دل میں کہتا۔ ”کاش! میں اس شہر کو تباہی سے بچا سکتا!“ وہ اپنے آپ کو کوستا۔ عبدالملک آ کر اسے تسلی دیتا اور کہتا۔ ”طاہر! تمھاری وجہ سے ہندوستان کے کئی ہزار انسان کلمہ پڑھ چکے ہیں اور ابھی کروڑوں انسانوں کے پاس خدا کا پیغام پہنچانے کی ضرورت ہے۔ اب بغداد کے متعلق سوچنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ بغداد کی زمین بنجر تھی، اس لیے وہاں تم نیکی کا بیج نہ اگا سکے۔ ہندوستان کی زمین زرخیز ہے، یہاں ہمیں اپنی محنت کا پھل مل رہا ہے!“

”تم درست کہتے ہو!“ طاہر یہ کہہ کر اٹھتا اور پھر اپنا کام شروع کر دیتا۔

(۶)

اٹھائیس برس گزر گئے اور ان اٹھائیس برسوں میں زمانہ کئی بار کروٹیں بدل چکا

تھا...... ایران میں چنگیز خان کا پوتا ہلاکو خان حکمران تھا اور بغداد میں مستعصم کی خلافت کا تیسرا سال تھا۔ تاتاری بغداد پر حملے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ خلیفہ کے وزیر ابن علقمی نے ہلاکو خان کے ساتھ ساز باز کر کے خلیفہ کو یہ مشورہ دیا کہ علم اور روحانیت کے اس مرکز میں تین لاکھ فوج کی کیا ضرورت ہے۔ یہ خزانے پر ایک غیر ضروری بوجھ ہے۔ چنانچہ بغداد میں چند ہزار سپاہیوں کے سوا باقی تمام فوج کو دائمی رخصت دی جا چکی تھی۔ دوسری طرف بزرگان قوم اور علمائے دین کی یہ حالت تھی کہ ان کے مناظرے اب ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔ شیعہ سنی کی بحث اب مکمل خانہ جنگی کی صورت اختیار کر چکی تھی۔

شہر کے امراء میں حکومت کے تنخواہ داروں کی نسبت تاتاریوں سے اپنے ضمیر اور قوم کی عزت کی قیمت وصول کرنے والوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ خلیفہ کے ہاتھ میں شراب کا جام تھا اور اس کی مسند کے سامنے عورتیں رقص کر رہی تھیں۔ قاصد نے اطلاع دی کہ ہلاکو خان بغداد کے قریب پہنچ چکا ہے۔ خلیفہ کے ہاتھ سے شراب کا جام چھوٹ گیا اور اس کی سفید قبا پر دھبے پڑ گئے۔

ہلاکو خان آندھی اور بلا کی طرح نازل ہوا اور بغداد نے وہ تباہی دیکھی جس کے سامنے بابل اور نینوا کی داستانیں ہیچ ہیں۔

بیس لاکھ انسانوں میں سے صرف چار لاکھ انسان اپنی جانیں بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہوئے۔ دجلہ کا پانی خون سے سرخ ہو رہا تھا۔ کتب خانوں، درسگاہوں اور مکانوں میں آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ شہر کے وہ کہنہ مشق مناظر جو برسوں سے ایک دوسرے کو کافر بنا رہے تھے۔ وہ امراء اور علماء جو برسوں کی غداری کا آخری انعام حاصل کرنا چاہتے تھے اور وہ خلیفہ جس نے مسند پر

بیٹھ کر خدا کے دین کا مذاق اڑایا تھا، بڑے بڑے قیمتی تحائف لے کر ہلاکو خان کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن کسی کو زندہ لوٹنا نصیب نہ ہوا۔

خلافت عباسیہ کے آخری چشم و چراغ کو قتل کرنے کی بجائے نمدے کی لپیٹ میں ہاتھی کے پاؤں کے نیچے ڈالا گیا۔ جب ہلاکو خان کو یہ شک ہوا کہ بعض لوگ زمین دوز پناہوں میں چھپ کر اس کی تلوار اور آگ سے بچ گئے ہیں تو اس نے دریا کا بند تڑوا دیا اور ہلاکو خان کی واپسی کے بغداد میں چیلوں اور کتوں کے سوا اور کوئی جاندار موجود نہ تھا...... بغداد قصۂ ماضی بن چکا تھا۔ اہل بغداد اپنی کھیتی کا پھل کاٹ چکے تھے۔

..................The End____________ختم شد